عالم، صحافی، مصنف، شاعر اور جید استاذ

مولانا محمد عثمان صاحب معروفیؒ

کی حیات وخدمات پر مشتمل دستاویز

بیش بہا

نقوشِ عثمان

۱۴۳۷ھ

کردار وآثار کے چند زاویے

مؤلف

مولانا انصار احمد معروفی

استاذ شعبۂ عربی

جامعہ عربیہ چشمۂ فیض ادری، مئو

شائع کردہ

دفتر ماہ نامہ ''پیغام'' پورہ معروف، بلوہ، کرتھی جعفر پور ضلع مئو، یوپی

تفصیـــــــــــلات

نام کتاب	:	نقوش عثمان کردار و آثار کے چند زاویے
مرتب	:	مولانا انصار احمد معروفی قاسمی
کمپوزنگ	:	مولانا انصار احمد معروفی قاسمی
صفحات	:	۱۶۰
تعداد	:	1100
ناشر	:	دفتر ماہنامہ پیغام محلّہ بلوہ، پورہ معروف مئو
مطبع	:	
قیمت	:	100 روپئے

ملنے کے پتے

- دفتر ماہنامہ پیغام محلّہ بلوہ، پورہ معروف کرتھی جعفر پور ضلع مئو یو پی
- المعارف دار المطالعہ پورہ معروف کرتھی جعفر پور ضلع مئو یو پی

بیش بہا

نقوشِ عثمان

کردار و آثار کے چند زاویے

بسعی محمود انصار احمد معروفی غفر اللہ لہ

(۲۰۱۶ء)

رہتا قلم سے نام، قیامت تلک ہے ذوقؔ
اولاد سے تو بس یہی، دو پشت چار پشت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

از: حضرت صوفی مولانا ظفر احمد صاحب الفخری الصدیقی جونپور

مولانا انصار احمد معروفی کی تازہ کتاب ''نقوشِ عثمان'' کا مسودہ دیکھا، عنوانات اور فہرست کو ایک نظر دیکھ کر اس کی جامعیت کا اندازہ ہوا، اسے دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی، مولانا مرحوم سے میں واقف ہوں، ان سے میری کئی ملاقات ہے، وہ یہاں جون پور ملاقات کی غرض سے تشریف لاتے تھے، وہ انکساری اور تواضع کا مجسمہ تھے، ان کے اندر بزرگوں کی تمام صفات عالیہ موجود تھیں۔

میں اگر مسجد میں ہوتا، وہ ملاقات کے لئے آتے، غایتِ حلم وتواضع میں خاموشی کے ساتھ پیچھے بیٹھے رہتے، آواز دینا یا بلانا مناسب نہ سمجھتے، جب اوراد سے فراغت ہوجاتی، وہ بڑھ کر ملتے، علمی گفتگو کرتے، اپنی تصانیف سے بہرہ ور فرماتے، ان سے مل کر بہت خوشی ہوتی۔

یادگار کے طور پر ان کی بہت سی کتابیں موجود ہیں اور امت کو نفع پہنچا رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی دینی خدمات کو قبول فرمائے، اور اس کتاب کو خیر کے وجود میں آنے کا ذریعہ بنائے، آمین۔

ظفر احمد الفخری الصدیقی عفی عنہٗ

دار السرور، شبستان، ملاٹولہ، جون پور یوپی الہند

۲۵ ربیع الاول ۱۴۳۷ھ، یوم الثلاثاء، ۵ جنوری ۲۰۱۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلمۂ تہنیت

از: مولانا ڈاکٹر عبدالرحمٰن ساجد الاعظمی
استاذ مدرسہ امدادیہ مرادآباد

الحمد للّٰہ وحدہٗ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہٗ.

تم اپنے نقش پا، راہوں میں رکھ دو
ابھی کچھ لوگ پیچھے آرہے ہیں

یادوں کو سمیٹ کر، کتابوں کو پڑھ کر، صحیفۂ دل سے چن کر جو نقوش زیبِ قرطاس بنتے ہیں، اس کا نام وعنوان کچھ بھی رکھ لیجئے؛ لیکن سچ یہ ہے کہ وہ اس کی حیات کا ایک باب اور اس کی زندگی کی بقا کا سامان ہے۔

''حیاتِ عثمان'' (اولاً یہی نام تجویز شدہ تھا، بعد میں ''نقوشِ عثمان'' رکھ دیا گیا) بھی اسی کتابِ زندگی کا نام ہے، جس میں مولانا محمد عثمان معروفیؒ کے احوال وکوائف، ان کی علمی، ادبی، تاریخی نقش آرائیاں، اور فکری، فنی، شعری معجز طرازیاں سب کچھ ہیں۔

جس کو نہایت سلیقہ مندی سے رمز آشنائے علم وادب مولانا انصار احمد معروفی نے مرتب کیا ہے، مثبت انداز میں سوچئے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ ''حیاتِ عثمان'' خود مرتب کی ذات کا تابندہ ویابندہ تعارف ہے۔

حضرت مولانا محمد عثمان صاحب معروفیؒ کی گراں قدر تالیفات میں اپنے بزرگوں کے تعارف وتذکرے کا جو قابل قدر حصہ ہے، میں سمجھتا ہوں، وہی نتیجتاً اس کی

اساس و بنیاد ہے، تاریخ میں ایسے بہت سے چشم کشا واقعات ہیں جن سے ایسے نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں۔

محمد بن ہبیرہ جو بغداد کے اندر ۴۹۹ھ میں پیدا ہوئے، ایک دن اپنے علم وفضل اور امانت و دیانت کی وجہ سے ''مقتفی بادشاہ'' کے وزیر بن گئے، حاسدین نے ان کے معالج کو اُکسا کر، دوا کے ساتھ زہر دلوادیا، جس سے ان کی موت ہوگئی۔

اس واقعہ کے بعد قریب چھ ماہ کا عرصہ گذرا ہوگا کہ اس معالج کو بھی زہر دے دیا گیا، جس سے وہ بھی جاں بر نہ ہوسکا، وہ کہا کرتا تھا: ''سُقِیْتُ کَمَا سَقَیْتُ'' یعنی میں نے زہر پلایا تو مجھے بھی زہر پلا دیا گیا۔

تو اگر مولانا نے ''مشاہیر پورہ معروف، حیاتِ طاہر، مشاہیر کو پاگنج'' لکھ کر اپنے بزرگوں کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے، تو اس کا لازمی نتیجہ بھی اسی شکل میں ظاہر ہونا تھا، جو ''حیاتِ عثمان'' کی شکل میں اب آپ کے سامنے ہے۔

اللہ مرتب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

ڈاکٹر عبدالرحمٰن ساجد الاعظمی

۸/جنوری ۲۰۱۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلمہ تبریک

از: جناب مفتی عبداللہ صاحب معروفی
استاذ شعبہ تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند

اس اطلاع سے بے حد خوشی ہوئی کہ حضرت مولانا محمد عثمان صاحب معروفی علیہ الرحمہ کی زندگی کے نقوش کو نمایاں کرنے اور ان کی علمی وقلمی خدمات کو اجاگر کرنے کے لیے، مولانا انصار احمد معروفی نے ''نقوشِ عثمان'' کی ترتیب دی ہے۔

مولانا مرحوم نے اپنی پوری زندگی درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور خدمت خلق کے لیے وقف کر رکھی تھی، مختصر نویسی ان کا خاص ملکہ تھا، تاریخ گوئی اپنی نظیر آپ تھے، مختلف ایسے فنون جو گوشۂ گمنامی میں جا چکے، مثلاً علم عروض وقوافی، علم ہیئت وغیرہ میں دستگاہ رکھتے تھے، قلم پختہ تھا، زبان ٹکسالی تھی، سادہ اور عام فہم تحریر لکھنے کے عادی تھے، مختصر نویسی انھوں نے محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی رحمۃ اللہ علیہ سے سیکھی تھی، فنی مہارت کے ساتھ تواضع اور خوش اخلاقی آپ کا نمایاں وصف تھا۔

مولانا مرحوم راقم کے والد، چچا صاحبان کے ماموں زاد بھائی تھے، بچپن سے ہی دادی مرحومہ (مولانا کی پھوپھی) کے ساتھ مولانا کے گھر میرا جانا آنا رہتا تھا اور آخر عمر میں تو مسلسل چار سال شریک دسترخوان رہ کر بہت قریب سے دیکھنے اور معاملات میں پرکھنے کا موقع ملا ہے۔ صف اول کا ہمیشہ اہتمام فرماتے، بلا کسی عذر تلاوت قرآن ناغہ نہ ہونے دیتے تھے، میں نے اپنی یاد کی حد تک کبھی کسی کھانے کو عیب

لگاتے ان کی زبان سے نہیں سنا، نمک چونکہ ان کو نقصان کرتا تھا اس لیے اگر کبھی زیادہ ہوجاتا تو آئندہ کے متعلق کمی رکھنے کی ہدایت فرماتے۔ محسن کے احسان کو یاد رکھنا، اس کا تذکرہ کرتے رہنا ان کی ایک اہم صفت تھی، ہمیشہ خنداں اور ہشاش بشاش رہتے۔ جب کبھی کام کی کثرت یا کسی رنج دہ بات کی وجہ سے پژمردگی ہوتی تو مولانا کی مجلس میں تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد سارا غم تکان کافور ہوجاتا، چھوٹوں کی ترقی آپ کو عزیز تھی، اس کے لیے اپنا ممکنہ تعاون پیش کرنے میں دریغ نہ کرتے، حدیث ''اشفعوا تؤجروا'' پر آپ کا خوب عمل تھا۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرما کر درجات عالیہ سے سرفراز فرمائے اور ان کی خدمات کے نقوش کو سلامت اور آبدار رکھے اور امت کو مستفید ہونے کی توفیق بخشے۔

امید ہے کہ یہ کتاب ''نقوشِ عثمان'' محبت کے ہاتھوں لی جائے گی اور ذوق وشوق کی نگاہوں سے پڑھی جائے گی۔

عبداللہ معروفی
استاذ دارالعلوم دیوبند

کلمۂ تحسین

از: مولانا ارشاد خلیل صاحب معروفی

شیخ الحدیث کلیہ ہاجرہ للبنات وصدر المعارف دار المطالعہ پورہ معروف

مشہور مصنف وعظیم مؤرخ حضرت مولانا محمد عثمان صاحب معروفیؒ کی ذات گرامی اپنے کارناموں کی وجہ سے ناقابل فراموش ہے، ان کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع اور متنوع ہے، مولانا نے ابتدا ہی میں اپنی زندگی کا دائرۂ عمل متعین کرنے میں بڑی وسعت سے کام لیا، انہوں نے جہاں درس وتدریس کو اپنی حیات کا ہدف بنایا، وہیں اس میں تصنیف وتالیف کو نمایاں جگہ دے کر اپنی حیات جاوداں کا سامان فراہم کیا، خوش خطی اور طغرا نویسی کے آرٹ سے اس دائرے کو مزین ومنقش کیا، شعر وشاعری، نقش نگاری، اور پینٹنگ جیسے فنون لطیفہ کے ذریعے اس میں موسیقیت کا جادو جگایا، صحافتی وادبی کاوشوں اور اپنے فیضان علم کی نہر سے تشنہ لبوں کو سیرابی بخشی۔

مولانا سے احقر کے مستحکم تعلقات تھے، وہ جہاں ہم لوگوں سے عمر میں بہت بڑے تھے وہیں تقویٰ طہارت، علم وفضل اور دینی خدمات کے اعتبار سے بھی ان کا مقام بہت بلند تھا، وہ بڑے ہوکر بھی غرور ونخوت اور تغافل کی مذموم عادات سے کوسوں دور تھے، مشہور شاعر شکیلؔ اعظمی کا یہ شعر ان پر خوب صادق آتا تھا:

اپنی منزل پہ پہنچنا بھی کھڑے رہنا بھی ☆ کتنا مشکل ہے بڑے ہوکے بڑے رہنا بھی

مگر مولانا مرحوم خردنوازی کی خوبیوں سے مزین تھے، ان کی قدر شناسی اور اہم تالیفات وتدریسی خدمات کا تقاضا تھا کہ ان کی خدمت میں خراج تحسین پیش کرنے کے لئے کوئی یادگاری مجلّہ یا کتاب شائع کی جاتی، پیش نظر کتاب **''نقوش عثمان''** اسی جذبۂ احسان شناسی کے اعتراف کے طور پر **مولانا انصار احمد معروفی** صاحب شائع کررہے ہیں، تاکہ ان کی زندگی کے کچھ نمایاں نقوش سامنے آسکیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے نفع کو عام وتام فرمائے، اور مولانا مرحوم کے درجات کو بلند فرمائے آمین ثم آمین۔

(مولانا) ارشاد خلیل معروفی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

از: مؤلف

پورۂ معروف کے نام کو علمی، تصنیفی، قلمی اور تدریسی صلاحیتوں کے حوالے سے ضلع اور صوبے سے آگے ملکی پیمانے پر روشن کرنے والوں میں حضرت مولانا محمد عثمان صاحب معروفی رحمۃ اللہ علیہ کا نام سرِ فہرست ہے، ان کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہونے کے ساتھ ان کا کردار بہت روشن اور اخلاق نہایت پاکیزہ تھا، ان کی جلوت وخلوت کے تقدس کے گواہ اور ان کی عالی ظرفی کے شاہد بہت سے حضرات ہیں، وہ لوگ بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں جو، ان کے براہِ راست شاگرد اور ان کے فیض یافتہ ہیں، اور وہ حضرات بھی اس کے معترف ہیں جنہوں نے ان سے کسبِ فیض نہیں کیا۔

ان کے جن تلامذہ سے احقر نے ملاقات کی، ان کی تعریف میں رطب اللسان اور ان کے مخصوص طریقۂ تدریس کا ثنا خواں پایا، انہیں اس بات کا شدت سے احساس ہے کہ حضرت جیسی صلاحیت کے حامل افراد بہت ہوں گے، مگر ویسا اسلوبِ تدریس ہم نے کہیں نہیں پایا، اس کتاب میں شامل بعض قلم کاروں کے کچھ اقتباسات سے بھی اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت ایک مخلص استاذ اور باکمال عالم تھے، اس لئے وہ جہاں اور جتنے دن رہے، اپنی خدمات کے نقوش جریدۂ عالم پر ثبت کرتے رہے، ان سے لوگوں کو مختلف

النوع فوائد حاصل ہوتے رہے، درس میں شامل اہم اور پیچیدہ کتابوں کے مضامین کی ترسیل، مغلق عبارتوں کا حل اور ان میں چھپے مفاہیم اور معانی کی تہہ داری کی وضاحت؛ وہ بھی مختصر اور اتنے آسان الفاظ میں کہ طلبہ اسے بآسانی اپنے دل ودماغ میں جذب کرلیں، یہ ان کے لئے کوئی بڑی بات نہیں تھی۔

پورہ معروف کا نام جن باکمال اور مخلصین حضرات کی وجہ سے روشن ہے، جس کا آغاز حضرت مولانا محمد طاہر صاحبؒ سے ہوتا ہے، اور الحمدللہ اس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے، ان میں حضرت مولانا محمد عثمان صاحبؒ کا نام بھی شامل ہے، بلکہ بعض اعتبار سے ان میں ممتاز اور منفرد اہمیت کا حامل ہے کہ اگرچہ اس قصبہ کو یہاں کے علما کی علمی وعملی جدوجہد اور ان کے صلاح وتقویٰ کی وجہ سے بلند مقام اور ایک امتیاز حاصل تھا، لیکن تصنیفی اور قلمی خدمات کی حیثیت سے پورہ معروف، غیر معروف تھا، یہاں کے علما اور ان کے علمی کارناموں اور ان کی اسلامی خدمات کے بارے میں دوسرے لوگ قطعاً ناواقف تھے، اگرچہ ان علما نے یہ خدمات اس لئے نہیں انجام دی تھی کہ انہیں کبھی صلہ کی پروا یا کسی ستائش کی تمنا رہی ہو، بلکہ وہ حضرات اس سے دور رہنا پسند کرتے تھے کہ کوئی ان کی عبادت وتقویٰ، ریاضت ومجاہدہ اور ان کی خوبیوں کو اجاگر کرے، پھر بھی اچھے اور نیک حضرات کی خوبیوں کو بیان کرنے اور ان کی اچھی چیزوں کو اپنے اندر لانے کا اسلامی تعلیمات میں جابجا ذکر ہے۔

غور کیجئے کہ مولانا محمد عثمان معروفی صاحب اگر حضرت مولانا محمد طاہر صاحب معروفیؒ کا تذکرہ ''**حیاتِ طاہر**'' کتاب لکھ کر نہ کرتے، تو ہم اور آپ اور دوسرے علاقے کے حضرات کیا حضرتؒ کے مشہور علمی، عملی، قلمی، اصلاحی، طبی، اور دوسری ان کی خصوصیات سے واقف ہوسکتے تھے؟ حضرت کے ذریعے جو فیض یہاں کے لوگوں کو پہنچا، ان کے ذریعے جتنی بدعات وخرافات کا خاتمہ ہوکر، صحیح طریقۂ نبوی کا جو سلسلہ

یہاں شروع ہوا، کیا ہمیں اس کی اطلاع کسی اور طریقے سے ممکن تھی؟ علاوہ ازیں مولانا نے ''مشاہیر پورہ معروف، مشاہیر کوپا گنج، حالات المصنفین، شہید بابری مسجد، ایک عالمی تاریخ'' نامی کتابیں لکھ کر یقیناً ہمیں اپنے شاندار ماضی سے جوڑنے کی کامیاب کوشش کی ہے، ورنہ مذکورہ کتابوں میں سے اگر چند کتابیں احاطۂ تحریر میں نہ لائی گئی ہوتیں تو ہم اپنے علاقہ کے اسلاف کے کارناموں سے بے خبر رہ جاتے، اور ان کی زندگیاں اور کارنامے پردۂ خمول میں رہ جاتے، اور انہیں حیاتِ جاوید بھی نہیں مل پاتی، آج اپنے مہمانوں اور پورہ معروف کی زیارت کرنے والے علما واکابرین کے سامنے فخر سے جو کتابیں پیش کر کے ہم ان کی مبارکباد مفت میں سمیٹتے ہیں، یہ دراصل حضرت مولانا مرحوم کی جدوجہد کی رہینِ منت ہے، جن کے احسان سے ہم زیرِ بار ہیں۔

فجزاہ اللہ عنا خیر الجزاء۔

مگر افسوس! کہ جس شخصیت نے اپنے گاؤں، گھر کے بزرگوں اور علما وحفاظ کو اپنے قلم کی طاقت سے زندۂ جاوید بنایا، اور ان کی خدمات کو کتابی صفحوں میں جگہ دے کر انہیں آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ کیا، جس نے حال کا رشتہ ماضی سے جوڑنے کے لئے آئینۂ کتاب پر ان کی شخصیات کا عکس جمیل بکھیرا، اور جس نے علم وقلم کی خدمت کرتے کرتے ''پردیس'' میں اپنی جان تک نچھاور کردی، آج اسے فراموش کردیا گیا، اب تک ان کی حیات وخدمات پر کوئی کتابچہ ان کے قصبہ، علاقے، یا باہر کے کسی اہل علم کی جانب سے منظرِ عام پر نہ آسکا، جن کو اس دنیائے فانی سے کوچ کئے ہوئے سولہ سال کا طویل زمانہ بیت گیا۔

تاہم مولانا مرحوم، اپنی علمی خدمات اور قلمی کارناموں کی وجہ سے آج بھی زندہ ہیں، ان کی علمی جدوجہد کا اعتراف ان کی کتابوں کو خرید کر کیا جارہا ہے، جن کی بہت سی کتابوں کے ایڈیشن پر ایڈیشن برابر طبع ہوکر فروخت ہورہے ہیں، لیکن اس

حیات میں ہمارا کوئی حصہ نہیں، کیوں کہ وہ اپنے لازوال نقوش، اور اپنے علمی کردار و آثار کی وجہ سے باحیات ہیں، حضرت مرحوم کی علمی، تاریخی، اور تدریسی و قلمی صلاحیتوں کا معترف ایک جہان ہے، اور ان کی علمی بلند پروازی میں کسی کو دم مارنے کی گنجائش نہیں ہے۔

لیکن بہت سے لوگوں کے لئے کسی کی علمی صلاحیتوں کے اعتراف میں کبھی تو علاقہ مخل بنتا ہے اور کبھی ذات برادری کا غرور و نخوت اس مدح سرائی میں مانع بن جاتا ہے، اور وہ بالقصد اس صاحبِ علم و قلم کی خدمات کی تعریف و توصیف سے پہلو تہی کرتے نظر آتے ہیں، جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ صاحبِ سوانح سے کم رتبہ اور ان سے علم و تقویٰ میں ادنیٰ حضرات کی وفات پر مضامین پر مضامین اخبارات و رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں، تعزیتی جلسے منعقد ہوتے ہیں، جرائد و مجلّات میں ان پر خصوصی نمبر کا اجرا عمل میں لایا جاتا ہے، اور انہیں قلم کی طاقت سے اتنا اونچا اٹھا دیا جاتا ہے کہ لوگ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ واقعی مرحوم کے اندر یہ سب اوصاف و کمالات پوشیدہ تھے، اور وہ ان سب خوبیوں کے مالک تھے۔

جس طرح شادی کے موقعہ پر ''دولہا'' کے حسن و جمال اور اس کی خوبیوں کی تعریف ''سہرے'' کے ذریعے اس طرح کی جاتی ہے کہ بے چارہ دولہا بھی یہ سوچنے لگتا ہے کہ اتنا حسن و جمال میرے اندر کب پیدا ہو گیا؟ اور میرا چہرہ چاند کو بھی مات دینے والا کب سے ہو گیا، جب کہ میں ابھی تک اس کے عرفان سے بے خبر تھا؟ حالاں کہ میری بدصورتی ہی ہنوز میری شادی کے لئے رکاوٹ تھی۔

راسخین فی العلم اور خادمین علم و قلم کو اس طرح نظر انداز کرنے اور ان سے کم درجہ والوں کو ان کی حیثیت سے زیادہ اونچا اٹھائے جانے کی وجہ صرف اتنی ہوتی ہے کہ ان پختہ صلاحیتوں والے اہل علم و قلم، اور یکسو ہو کر علم دین کی خدمت کرنے والوں نے

اپنی حیثیت کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کے لئے کسی کی ''چمچہ گیری'' نہیں کی، کسی کی جھوٹی تعریف میں اپنی زبان کو ملوث نہیں کیا، کسی کے یہاں مقرب بننے کے لئے کوئی اوچھی حرکت نہیں کی، یا بڑے لوگوں کی ہر بات میں ''ہاں میں ہاں'' نہیں ملائی، اس لئے ان کا کوئی جتھہ تیار نہ ہوسکا، اور گویا ایسے جنازہ کو کوئی کندھا نہ مل سکا، جو اسے اس کی منزل تک پہنچا سکے، اور اس کی قبر پر اس کے وجود کی علامت کے طور پر کوئی ''کتبہ'' لگا سکے، نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے فراق پر نہ کوئی دو آنسو بہانے والا ملا، اور نہ ہی اس کے مزار پر کوئی چار پھول چڑھانے والا آسکا، اس طرح وہ مزار خود اپنا مرثیہ خواں ہوگیا، اور اپنا وجود کھو کر سطحِ زمین کے برابر ہوگیا۔

مولانا مرحوم نے بہت سے تعزیتی مضامین ان لوگوں کی خدمات کے اعتراف میں لکھے جو اس دنیا سے چلے گئے، ان کے وہ مضامین اخباروں میں بھی شائع ہوئے، اور مجلّات و رسائل کے خصوصی نمبرات کی بھی زینت بنے، اس کے علاوہ ان شخصیات کے لئے ان کے وارثین نے مولانا سے تاریخی مادے نکالنے کے لئے گزارشات بھی کیں، جس پر مولانا نے تاریخی نظمیں اور قطعات لکھے، نیز مولانا نے بغیر فرمائش بھی مضامین اور نظمیں لکھیں، اور آخر عمر میں تو مولانا مجلّہ ''مظاہر علوم'' سے بھی وابستہ ہوگئے تھے، اس طرح ان کے دیگر مجلّات و رسائل کے مدیران سے روابط میں بھی اضافہ ہوگیا تھا۔

چاہئے تو یہ تھا کہ جس مجلّہ کے مولانا مدیر تحریر تھے، اور جس کی خدمت کرتے کرتے مولانا نے اپنی آخری سانس لی، اس رسالہ کا ایک خاص نمبر مولانا کی خدمت کے اعتراف میں مختص کرنے کا اعلان کردیا جاتا، اور اس طرح کچھ تحریریں جمع کر کے ان کی شان میں خراجِ عقیدت پیش کردیا جاتا، مگر ایسا نہ ہوسکا، دو تین مضمون ان پر شائع ہوسکا، اور جو مضامین ان کے سلسلے میں پہنچے، انہیں ضائع کردیا گیا، دیگر رسائل

بھی خاموش رہے، اور دوسرے قلم کاروں کے قلم کی روشنائی بھی مولانا کے لئے خشک ہوگئی، البتہ ''ترجمانِ دیوبند'' کے مدیر محترم مولانا ندیم الواجدی صاحب، اور استاذ محترم حضرت مولانا نور عالم خلیل الامینی صاحب استاذ شعبۂ تکمیل ادب، مدیر التحریر مجلّہ ''الداعی'' دارالعلوم دیوبند نے اپنا صحافتی فریضہ سمجھتے ہوئے مولانا کی خوبیوں اور کمالات کے اعتراف میں مضمون قلم بند کیا، ممکن ہے کہ اس کے علاوہ دیگر مجلّات نے بھی کچھ لکھا ہو، مگر ہماری اس تک رسائی نہیں ہوسکی۔

ہم نے حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمی معروفیؒ متوفی: ۲۰۱۳ء کی حیات وخدمات پر ایک کتاب ۲۰۱۴ء میں شائع کی، اس میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ عنقریب ہم حضرت مولانا محمد عثمان صاحب معروفیؒ کے سلسلے میں ایک کتاب شائع کریں گے، ہمارا کئی سال پہلے (ستمبر ۲۰۱۱ء میں بھی) یہ ارادہ تھا، اور ہم نے اس تعلق سے اخبار اور اپنے مجلّہ ماہنامہ ''پیغام'' پورہ معروف میں یہ اعلان کیا تھا، اور اس حوالے سے قلم کاروں سے مضامین ارسال کرنے کی درخواست کی تھی، کچھ خطوط بھی مضامین کی فراہمی کے لئے ارسال کئے تھے، فون سے بھی رابطہ کر کے توجہ دلائی گئی، اور مضامین لکھنے کے لئے آمادہ کرنے کی کوشش کی گئی، پورہ معروف کے کئی علما سے ملاقات بھی کی گئی، مگر افسوس کہ مضامین نہیں مل سکے، البتہ دوسری جگہوں سے کچھ مضمون دستیاب ہوگیا، لیکن مضامین اتنے نہیں تھے کہ اسے مجلّہ کا نمبر بنایا جاسکے، اس لئے فیصلہ یہ ہوا کہ ان مضامین کے اقتباسات کے ذریعے ایک کتاب شائع کردی جائے، تاکہ وہ مضامین بھی مختلف عنوانات کے تحت شامل اشاعت ہوکر منظر عام پر آجائیں، اور لکھنے والوں کی محنت رائگاں نہ جائے، اور ہمارا کیا ہوا وعدہ بھی پورا ہوجائے۔

مولانا سے ان کی آخری زندگی میں تعارف ہوا، اور اس تعارف کا سبب بھی ''پیغام'' بنا، انہیں اس نئے قلمی مجلّہ کا سرپرست بنانا تھا، جس کی تفصیل آپ کتاب میں

پڑھیں گے، ہمیں اس اعتراف میں کوئی جھجک نہیں کہ پورہ معروف کے علما میں اگر ذرہ نوازی اور چھوٹوں کو بھی کچھ اہمیت دینے اور حوصلہ افزائی کے سلسلے میں لب کشائی کی جائے تو بلا تکلف مرحومین میں حضرت مولانا زین العابدین صاحب اور حضرت مولانا محمد عثمان صاحب کا نام زبان پر آجائے گا، جو بہت بڑی صفت ہے، اور حقیقت میں یہ اللہ کی نعمت کی قدر دانی ہے، اس تعلق سے مولانا کی یاد برابر آتی رہتی تھی، ہمیں اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ مولانا مرحوم کی وفات پر پورہ معروف کی سطح پر صرف ایک تعزیتی جلسہ منعقد ہوا، دوسرا ہم لوگوں نے النادی میں کیا، اور مجلّہ پیغام میں اس سلسلے میں دو تین مضمون اُس وقت شائع ہوا، اور پھر گویا ان کو فراموش کر دیا گیا۔

مگر ان کی نوازشات کی کسک دل کو بے چین کئے رہتی تھی، اور ماضی کی خوش گوار یادوں کے نقوش رہ رہ کر قلم کے اس بادشاہ اور ماہر تاریخ رجال پورہ معروف، کے لئے تڑپ رہے تھے کہ اتنی جلدی ایسے ماہر قلم کو بھلا دیا گیا، اور ہم نے کچھ نہیں کیا، جس نے پورہ معروف پر لگے اس عیب کو؛ کہ یہاں قلم کار نہیں ہیں، اور وہ تصنیفی خدمات کے اعتبار سے منفی پوزیشن میں ہے، اپنے قلم کی روشنائی سے دھو کر اس کمی اور عیب کو دور کرنے کی کامیاب کوشش کی، چنانچہ ہم بلا خوفِ تردید کہہ سکتے ہیں کہ وہ پورۂ معروف کے سب سے پہلے مصنف اور قلم کار ہیں، ان کا جب قلم چل پڑا تو بغیر تکان کے زندگی بھر چلتا رہا، ان کے قلم کی سیالی کا یہ عالم رہا کہ اس نے کبھی اپنی خشکی کا گلہ نہیں کیا، اور جس موضوع پر قلم کو جنبش دی، اس کا حق ادا کر دیا، مزید خوبی یہ کہ ان کی تمام تر تصنیفات حشو وزوائد کے عیب سے پاک اور مغز ہی مغز کی حامل ہیں، اس طرح انہوں نے مختلف موضوعات پر تصنیف وتالیف کی لائن لگا دی، اور مشہور ومعروف مصنفین وناقدین سے خراجِ تحسین بھی وصول کیا۔

اس وجہ سے یہ طے پایا کہ حضرت مولانا محمد عثمان صاحب جو پورہ معروف کی

آبرو اور یہاں کے نام کو ہر جگہ روشن کرنے والے ہیں، ان کے صفات و کمالات اور ان کی انفرادی خوبیوں کے تذکرے کے لئے ایک کتاب شائع کی جائے، اگر دیگر جگہ کے لوگوں نے انہیں فراموش کر دیا تو یہ کون سی برائی اور مذمت کی بات ہے؟ ان کے لئے تو مولانا ''دوسرے علاقہ'' کے ہیں، جب کہ کچھ لوگوں کو نظر انداز کرنے کا سلسلہ بالقصد کچھ ایسا چل پڑا ہے، جیسے یہاں منصوبہ بند طور پر مسلم مجاہدین آزادی کو یکسر فراموش کیا جا رہا ہے، اس لئے ہمیں یہ سوچنا ہے کہ اگر انہیں دوسرے لوگ بھولے جا رہے ہیں تو ہم کیوں اسی بری روش پر چل پڑیں؟ اور کیوں اپنے لوگوں کو بھولتے جائیں؟

مولانا مرحوم کی بہت سی کتابیں ایسی ہیں جو صرف ایک ہی بار شائع ہوئیں، ان میں ''مشاہیر کوپا گنج، مشاہیر پورہ معروف'' اور دوسری کتابیں ہیں، ان کتابوں کا تعلق مخصوص علاقہ اور مقام سے ہے، ظاہر ہے کہ یہ کتابیں دوسری جگہ کے لوگوں کے لئے اتنی اہم نہیں، جتنی یہاں کے باشندوں کے لئے اہمیت رکھتی ہیں، خود اپنے علاقہ کے لوگوں کی تاریخ جاننے کے لئے جب ہم اتنے بے حس اور لاپرواہ ہیں، تو اس کے آگے اور کیا کہا جا سکتا ہے؟

اسی وجہ سے ان کتابوں کے دوبارہ شائع ہونے کی نوبت نہیں آئی، حالاں کہ یہ کتاب ۱۹۷۶ء میں شائع ہوئی تھی، جسے اب تک ۴۱ رسال کا طویل عرصہ بیت گیا ہے، اس کے بعد سینکڑوں علماء یہاں کے فارغ ہوئے، مگر ان کی کوئی تاریخ مرتب نہ ہو سکی، اور نہ ہی اس کا دوسرا ایڈیشن چھپ سکا، جب کہ آج اس کتاب کے تمام نسخے ختم ہو کر معدوم ہو گئے ہیں، یہی حال ان کی پہلی کتاب ''حیات طاہر'' کا ہوا، یہ تو اس سے بھی پہلے کی کتاب ہے، جو ۱۹۶۷ء میں طبع ہوئی، جب اس کے تمام نسخے ختم ہو گئے، اور ہر طرف سے اس کی اشاعت کا مطالبہ ہونے لگا تو الحمد للہ دوبارہ یہ گذشتہ سال نئی کتابت اور نئی جلد میں بڑی آب و تاب سے شائع ہوئی۔

جب ہم اپنے علاقہ کے علما و بزرگوں کے ساتھ ایسا معاملہ کر رہے ہیں تو دوسری جگہ کے لوگوں سے کیا توقع رکھیں؟ اور کیوں انہیں طعنہ دیں؟ یہ ذمہ داری تو ہماری تھی، یہ قصبہ اہل علم و قلم کا ہے، اور اسے ''مدینۃ العلم والعلماء'' کہا جاتا ہے، اس لئے ہمیں اس معاملہ میں حساس ہونے اور مولانا کے چھوڑے ہوئے کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی شدید ضرورت ہے۔

یہ کتاب ایسی نہیں جسے ہم یہ کہہ سکیں کہ یہ مولانا مرحوم کی مکمل سوانح عمری ہے، کیوں کہ اس میں ابھی بہت کمی ہے، ان کی تعلیم حاصل کرنے کے زمانے کے بارے میں ہمیں زیادہ تفصیل نہیں مل سکی، مگر اتنی ہی جتنی انہوں نے اپنی کچھ کتابوں میں تحریر فرمادی، جب کہ ہمارا یہ خیال ہے کہ حضرت تمام معلومات اور چھوٹی سے چھوٹی چیز کو قلم بند کرنے والے تھے، اسی وجہ سے انہوں نے ایک کاپی ''بیاضِ معروفی'' کے نام سے جمع کی، دوسری کاپی ''احوال وکوائف'' کے نام سے تھی، تیسری ان کی کاپی ''اعیان واعلام'' نامی تھی، ان میں سے بعض بیاضوں کا مولانا نے اپنی کتابوں میں تذکرہ بھی کیا ہے، لیکن اس وقت ان تمام بیاضات کا کوئی اتا پتا نہیں، ان کے پس ماندگان سے معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ ان کے کاغذات میں اس طرح کی کوئی چیز موجود نہیں ہے، اس لئے ان کی زندگی کے بہت سے گوشے ابھی پردۂ خفا میں ہیں، گمان تو یہ بھی ہے کہ احوال وکوائف میں انہوں نے ''خودنوشت'' کی لائن کی بھی معلومات درج کی ہوں گی، اگر وہ کاپی مل گئی ہوتی تو یہ کتاب بیش بہا معلومات کا ذریعہ بن جاتی، اور بہت سے مفید گوشے سامنے آگئے ہوتے، پھر بھی جتنی معلومات اور مفید چیزیں ہمیں دستیاب ہوگئیں، ہم نے ان تمام مواد کے ذریعے اسے بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کی ہے، اگر اس میں کچھ اچھی اور مفید چیزیں مل جائیں اور کوئی بات پسند آجائے، یا کوئی کمی اور نقص نظر آئے تو اس کی اطلاع کریں، ہم ان کے شکر گزار ہوں گے۔

اس کتاب ''نقوشِ عثمان'' کو تکمیل کے مرحلے تک پہنچانے کے لئے جن لوگوں نے کسی بھی قسم کا علمی، مالی، اخلاقی تعاون پیش کیا ہم ان کے بے حد شکر گزار ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی ضرورتوں کی تکمیل فرمائے، جن میں مولانا مطیع اللہ مسعود قاسمی، مولانا محمد شاکر عمیر، مولانا ارشاد خلیل، مولانا محمد رضوان بن جناب محمد سفیان، وغیرہ حضرات قابل ذکر ہیں؛ کا ہم تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ ان کے مختلف النوع تعاون کی وجہ سے یہ کتاب منظر عام پر آنے کے لائق ہوسکی، بالخصوص مولانا **نوشاد احمد** صاحب قاسمی استاذ مدرسہ منبع العلوم، خیر آباد، مئو؛ جنہوں نے کتاب کی سیٹنگ اور تزئین کے ساتھ جگہ جگہ ضروری اصلاح بھی کی اور مفید مشوروں سے نوازا، مزید کتاب کے نام ''نقوش عثمان'' کے ساتھ ''بیش بہا'' کا اضافہ کرکے کتاب کا تاریخی نام ''بیش بہا نقوش عثمان'' رکھا، جس سے ۱۴۳۷ھ ہجری سن برآمد ہوتا ہے، اور ''بسعیِ محمود انصار احمد غفر اللہ لہٗ'' سے عیسوی سن ۲۰۱۶ء نکلتا ہے، مولانا محمد عثمان صاحب معروفیؒ چونکہ اپنی ہر کتاب کا نام تاریخی مادوں سے مزین کرتے تھے؛ اس لیے اس مناسبت سے ان کے طرز کو اپنا کر ہم خوشی و مسرت محسوس کرتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ تمام محسنین کو اپنی شایان شان بہترین بدلہ عطا فرمائے اور ہماری اس حقیری کاوش کو صفات قبولیت سے آراستہ فرمائے، آمین ثم آمین۔

انصار احمد معروفی

جامعہ عربیہ چشمہ فیض ادری، مئو

8853214848

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقوشِ عثمان

یعنی مولانا محمد عثمان صاحب معروفیؒ کی ذات و خدمات کا تعارف

وہ مؤرخ جس نے سینکڑوں علما و اکابرین کی تاریخ رحلت نکالی، جن کی تاریخِ پیدائش، مدتِ عمر، ووفات وغیرہ کے سلسلے میں ابجدی حروف کے نمبر کے اعتبار سے تاریخی معنیٰ دار مادّے برآمد کئے، اور ان پر تاریخی قطعات کہے، جس نے فراغت کے بعد سے تقریباً نصف صدی تک ہندوستان کے بڑے بڑے مدارس سے وابستہ ہوکر تدریسی خدمات انجام دی، اور جن میں سے اکثر جگہوں پر صدر المدرسین کے عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے، اور مدارس کی لائن سے ایک کامیاب مدرس بن کر نہ جانے کتنے حضرات کو علمِ دین کی خدمت واشاعت پر لگایا، کتنوں کو فن خوش نویسی سکھایا، تاریخی مادے نکالنے کے طریقے بتائے، صحافت، مقالہ نگاری، اور تصنیف وتالیف کے نشیب وفراز سے واقف کرایا، دعوت وتبلیغ اور وعظ وتذکیر کے ذریعے سے کتنے لوگوں کی زندگی میں انقلاب برپا کیا، حتیٰ کہ دو شخصوں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، اور اس طرح وہ کفر کی ظلمت اور اس کی تنگی سے نکل کر اسلام کی روشنی اور اس کی وسعت میں داخل ہوئے۔

پند ونصائح اور موعظۂ حسنہ کے ذریعے عوام کو نفع رسانی کے ساتھ تقریباً دو درجن پُر مغز کتابوں کی تصنیف وتالیف کے راستے خواص اور اہل علم کے حلقوں میں

محبوبیت اور مقبولیت حاصل کی، اور عمر کے آخری چار سال آپ نے ملک کے مشہور جامعہ مظاہر علوم سہارن پور میں مجلّہ ''**مظاہر علوم**'' کی ترتیب وادارت اور خاتمہ بالخیر کے طور پر آخری مبارک تصنیف ''**سیرت الرسول**'' کی اشاعت اور اکابر کے محبوب ادارہ ''مظاہر علوم'' سے وابستگی وشیفتگی آپ کے لئے نیک فال ثابت ہوئی، چنانچہ اللہ کے راستہ میں دین اسلام کی سربلندی کے لئے آپ نے باوضو ہوکر اپنی آخری سانس اس مبارک مہینہ میں لی جس مہینہ میں اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول ﷺ نے رفیق اعلیٰ سے ملاقات کی۔ رحمہُ اللّٰہُ رحمۃً واسعۃً.

ولادت وتعلیم

آپ نے اپنی مشہور کتاب ''ایک عالمی تاریخ،، میں اپنی جو مختصر سوانح حیات لکھی ہے ہم یہاں اسی کو ان ہی کے الفاظ میں نقل کررہے ہیں:

''محمد عثمان بن الحاج القاری محمد حنیف (ابن حافظ محمد یوسف ابن حاجی عبد القادر ابن حاجی عبداللہ ابن محمد دلارا ابن محمد دانیال ابن محمد روشن) پورہ معروف محلّہ بانسہ، پوسٹ کورتھی جعفر پور ۲۷۵۳۰۵ ضلع مئو، (یوپی)، ولادت: یکشنبہ ۲۰/ جمادی الأولیٰ ۱۳۴۷ھ مطابق ۴/نومبر ۱۹۲۸ء، قرآن کریم والد محترم سے پڑھ کر ۱۳۵۷ھ ۱۹۳۸ء تا ۱۳۶۲ھ ۱۹۴۳ء مدرسہ معروفیہ پورہ معروف میں اردو فارسی پڑھی، پھر ایک برس اشاعت العلوم پورہ معروف میں پڑھ کر ایک سال مفتاح العلوم مئو میں، پھر تین برس احیاء العلوم مبارک پور ۱۳۶۷ھ ۱۹۴۸ء تک پڑھا، ۱۳۶۸ھ ۱۹۴۹ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوا، ۱۳۶۹ھ میں بھی دیوبند میں رہ کر فتویٰ نویسی، خطاطی، اور کتب فنون کی تکمیل کی، ۱۳۶۹ھ ۱۹۵۰ء میں لکھنؤ یونیورسیٹی سے فاضل ادب عربی کا امتحان

پاس کیا۔

۱۳۶۹ھ تا ۱۳۸۹ھ ۱۹۶۹ء بیس برس مدرسہ معروفیہ میں صدر مدرس رہا، ۱۳۷۷ھ میں چھ ماہ آسام کے ایک مدرسہ میں نائب سپرنٹنڈنٹ رہا، ۱۳۷۹ھ ۱۹۶۰ء میں حجِ بیت اللہ کیا، شوال ۱۳۸۹ھ تا صفر ۱۳۹۷ھ ۱۹۷۷ء احیاء العلوم مبارک پور میں مدرسی کی، پھر چند ماہ اشاعت العلوم میں اعزازی مدرس رہا، ۱۳۹۸ھ ۱۹۷۸ء میں منبع العلوم گلاؤٹھی بلندشہر میں مدرسی کی، ۱۳۹۹ھ ۱۹۷۹ء میں جامعہ اسلامیہ کلکتہ نمبر ۵۱ میں تدریس کے ساتھ ناظمِ تعلیمات رہا، محرم ۱۴۰۰ھ، ۱۹۷۹ء تا ۱۴۰۸ھ، ۱۹۸۸ء میں جامع العلوم کوپاگنج میں عالیہ کا مدرس رہا، یہاں سے ریٹائرڈ ہوتے ہی ۱۴۱۳ھ، ۱۹۹۳ء تک جامعہ اسلامیہ سلطان پور میں صدارت تدریس کے منصب پر رہا، ۱۴۱۳ھ تا ۱۴۱۵ھ ۱۹۹۵ء ضیاء العلوم پورہ معروف میں صدر مدرس رہا۔

تدریس کے ساتھ خوش نویسی، تاریخ گوئی اور تصنیف وتالیف کا بھی مشغلہ رہا، مختلف رسائل واخبارات میں اکابر کی تواریخِ رحلت، اشعار ومضامین شائع ہوتے رہے جن کی تعداد سَو سے متجاوز ہے، اسی لئے پورہ معروف کے قلمی رسالہ ماہ نامہ ''**پیغام**'' کا اگست ۱۹۹۶ء (پہلے شمارہ سے ہی) سرپرست منتخب ہوا، جمعیۃ علمائے ہند کے آل انڈیا اجلاس میرٹھ ۱۹۶۳ء، ضلع گیا ۱۹۶۶ء اور دہلی ۱۹۷۲ء میں بورڈ اور بینر کی کتابت کے لئے بلایا گیا، اور وہاں راقم الحروف ہی کو خوش نویسی میں اعلیٰ نمبر دیا گیا۔

تصنیفات وتالیفات: اپنی مطبوعہ تالیفات یہ ہیں:

(۱) حیاتِ طاہرؒ (۲) کمیونزم اور مذہب (۳) درسِ مغفرت (۴) ایک عالمی تاریخ (۵) مشاہیرِ پورہ معروف (۶) معجزات وکرامات (۷) تاریخِ وقائعِ لاثانی ترجمہ ''دروس التاریخ الاسلامی'' (۸) تذکرۃ الفنون (۹) حالات المصنفین (۱۰) مختصر تاریخ نبوی (۱۱) گلدستۂ فاخرہ منظوم (۱۲) گلدستۂ فاخرہ کلاں (۱۳) مشاہیر کوپاگنج

(۱۴) شہید بابری مسجد (۱۵) محاسن التواریخ (۱۶) ارکانِ تبلیغ (۱۷) پُر تاثیر نماز (۱۸) سیرت الرسول (۱۹) مفتاح التقویم (۲۰) تقاریر مولانا آزاد (۲۱) ترجمہ مقاماتِ حریری وحل لغات عربیہ (۲۲) مختصر سیرت الرسول ﷺ.

[ماخوذ از: ''ایک عالمی تاریخ'' ص: ۱۸۳]

ہمہ گیر شخصیت: اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا محمد عثمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جامعیت کی صفت سے نوازا تھا، ان میں بیک وقت متعدد خوبیاں جمع تھیں، اور لطف کی بات تو یہ کہ ان خوبیوں میں وہ ممتاز بلکہ بعض میں سب سے فائق بھی تھے۔

کامیاب مدرس: تقریباً نصف صدی تک وہ متعدد مدارس سے وابستہ رہے، جیسا کہ ان کی مذکورہ خودنوشت تحریر سے معلوم ہوا، ہر مدرسہ میں نمایاں حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دی، ان میں اکثر جگہ تو صدارتِ تدریس کے عہدۂ جلیلہ پر بھی فائز رہے، کہیں ناظمِ تعلیمات رہے، اور بعض جگہ نائب مدیر، ان کے ایک خصوصی شاگرد حضرت **مولانا عبدالستار صاحب معروفی** مدظلہٗ استاذ جامعہ حسینیہ جونپور نے مولانا مرحوم کے تعزیتی جلسے کے بعد کی ایک خصوصی نشست میں بتایا:

> ''مولانا مرحوم بڑے تجربہ کار مدرس، اور بارعب ولائق استاذ تھے، طلبہ پر ان کا بڑا رعب رہتا تھا، ہم لوگ مدرسہ معروفیہ میں جس وقت پڑھتے تھے وہ اس وقت وہاں کے صدر مدرس تھے، مدرسہ سے پانچ منٹ کے فاصلہ پر ان کا گھر محلّہ بانسہ پر تھا، جس وقت وہ گھر سے مدرسہ آنے کے لئے نکلتے، مدرسہ کی چھت سے نظر آجاتے تھے، ان کے گھر سے نکلتے ہی ہم لوگ ان کے خوف سے سہم جاتے تھے، راستہ بھر اپنا سبق یاد کرتے جاتے تھے، ہمیں مدرسہ میں ان کے مدرسہ کے قریب ہوجانے کی پل پل خبر ملتی رہتی تھی کہ اب فلاں جگہ تک آگئے ہیں، اور اب اس وقت یہاں تک آگئے، اب مدرسہ میں داخل ہورہے

ہیں، تمام لڑکے بالکل الرٹ ہوجایا کرتے تھے، سبق اور آموختہ پر پوری گرفت ہوجایا کرتی تھی، کیا مجال کہ کسی کو سبق یاد نہ رہے، پھر بھی عربی کتابوں کی عبارت خوانی کی تصحیح پر اتنا زور دیتے تھے کہ کسی لفظ کو اس کی صحیح حرکت یا غلط حرکت کی توجیہ بتائے بغیر وہ طلبہ کو آگے نہیں بڑھنے دیتے تھے، اگر طلبہ صحیح بتادیتے تو آگے بڑھتے، اور اگر نہیں بتاتے تو وہیں سے واپس کردیتے۔

اس وجہ سے تمام طلبہ اپنا اپنا سبق اور اس سے متعلق تمام چیزیں یاد کرکے جاتے تھے، اسی کے ساتھ وہ طلبہ کی تربیت پر بھی غیر معمولی دھیان دیتے تھے، ان کے بال بڑے بڑے نہ ہوجائیں، ان کی وضع قطع شریعت کے مطابق ہو، تلاوت کا بھی اہتمام ہو، مطالعہ اور سبق کے تکرار کا بھی التزام ہو، طلبہ کی انجمن کا پروگرام ہفتہ وار باقاعدگی کے ساتھ چلتا رہے، مدرسہ کے دارالاقامہ میں کمروں اور کپڑوں کی صفائی کے ساتھ آس پاس کا ماحول بھی صاف ستھرا ہو، الغرض ایک صدر مدرس ہونے کے ناطے، طلبہ کی تعلیمی صلاحیتوں کے نکھارنے اور ان میں چھپے جوہر کو ابھارنے کے سلسلے میں جو چیزیں کارآمد ہوسکتی ہیں ان کو بروئے کار لانے میں دریغ نہیں کرتے تھے۔''

تدریس کی تمنا: مولانا کی عمر درس وتدریس کے دشت کی سیاحی میں گذری، آخر عمر میں وہ مجلّہ ''**مظاہر علوم**'' کی ادارت کے لئے سہارنپور تشریف لے گئے، رسالہ کی ذمہ داری کی تکمیل کے ساتھ ان کے دل کے کسی گوشہ میں تدریس کی تمنا ضرور انگڑائی لیتی رہی ہوگی، اگرچہ اس کا وہ اظہار نہ کرسکے۔

مولانا مطیع اللہ مسعود قاسمی صاحب استاذ مدرسہ انوار العلوم پلیا، ضلع جون پور، نے اس سلسلے میں روشنی ڈالی ہے، انہوں نے تحریر کیا:

''حضرت مولانا پوری زندگی درس وتدریس سے منسلک رہے، ان کی

دلی آرزو یہی تھی کہ میں تا حیات خدمتِ تدریس سے وابستہ رہوں، جب آپ آخری عمر میں مجلّہ ''مظاہر علوم'' کے لئے گئے، تو وہاں بھی تدریس کی تمنا برابر رہی، مگر کبھی زبان سے اظہار نہیں کیا، کیوں کہ بات صرف رسالہ کی ادارت کے لئے ہوئی تھی، اتفاقاً **حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب دامت برکاتہم** کی مجلس میں درس وتدریس سے متعلق بات چل پڑی، تو مولانا نے اپنی دلی خواہش کا اظہار کیا، حضرت نے فوراً فرمایا کہ ''آپ کو پہلے بتلانا چاہئے تھا، کوئی کتاب آپ سے متعلق کرادیتا۔''

مولانا عبدالستار صاحب معروفی استاذ جامعہ حسینیہ جون پور کے بقول:

''مولانا محمد عثمان صاحب عربی اور فارسی میں میرے استاذ تھے، انہیں فارسی بہت اچھی آتی تھی، پڑھانے اور سمجھانے کا جو ملکہ قدرت کی طرف سے انہیں ملا تھا وہ بہت کم لوگوں میں پایا، فارسی جو کچھ مجھے آتی ہے، وہ مولانا ہی کی دین ہے، ان کا رعب ایسا کہ آخری عمر تک مجھ پر طاری رہا، اور ان کے سامنے ''ہاں، نہیں'' کے سوا لب کشائی کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔''

مولانا کے خدوخال: مولانا زبیر اعظمی صاحب نے ان کے اوصافِ حمیدہ اور ان کے علمی مشاغل کے تذکرے کے ساتھ ان کا شخصی خاکہ کھینچتے ہوئے لکھا ہے:

''تاریخ گوئی کا شوق بہت غالب تھا، کسی مسجد ومدرسہ کی تاریخ تاسیس یا کسی اہل علم کی وفات پر اردو، فارسی اور عربی نظم ونثر میں تاریخ نکالنے کا خوب شوق رکھتے تھے، اور اسی کام میں محو رہتے تھے، لوگ اس کام کے لئے آس پاس کے مقامات سے بھی ان کے پاس آتے تھے، اور وہ ان کا کام بصد شوق کرتے تھے، آپ وقت اور شرع کے بے حد پابند تھے، مطالعہ کرنا اور نایاب باتوں کی دریافت کرنا آپ کا پسندیدہ مشغلہ تھا، اسلامی تاریخ وتذکرہ اور سیرت کا مطالعہ

جملہ فنون پر غالب تھا، یہی سبب ہے کہ یہ آپ کا محبوب مشغلہ بن گیا، مولانا کا رنگ گندمی، قد اور جسم متوسط، چہرہ گول، خندہ رُو، اندازِ گفتگو بہت شستہ اور دلکش، محبت ومؤدت کی تصویر، لکھنے پڑھنے اور پڑھانے سے کبھی نہ اکتانے والے، یہاں تک کہ تدریس اور مطالعہ اور لکھنا پڑھنا ہی اوڑھنا بچھونا بن گیا، آپ کے اخلاق میں سب سے نمایاں صفت خوش اخلاقی اور خوش مزاجی تھی، اندازِ گفتگو دل آویز تھا، ظرافت سے بھری باتیں کرتے تھے۔''

[از: ماہ نامہ ''پیغام'' پورہ معروف، جلد: ۱۶، شمارہ: ۱۲، جنوری ۲۰۱۵ء]

اصول پسندی: وہی استاد کامیاب اور انتظامیہ کے ساتھ اساتذہ وطلبہ میں مخلص سمجھا جاتا ہے جو اپنے اوقات کو اپنے مفوضہ امور میں صحیح طور پر استعمال کرے اور اپنا ایک نظام الاوقات بنا کر اس کے مطابق کام کرتا رہے، اس سے کام بھی خوب ہوتا ہے اور برکت کا بھی ظہور ہوتا ہے، بالخصوص جب کہ مدرسے میں ہی اس مدرس کا ہمہ وقت قیام ہو۔

حضرت مولانا کے ایک خصوصی شاگرد **مولانا محمد سمیع اللہ صاحب دیوریاوی** (کُشی نگری) استاذ مدرسہ جامع العلوم کوپاگنج ہیں، جنہوں نے ان سے عربی درجات کی کتابوں کے علاوہ فن خوش نویسی بھی سیکھا ہے، انہوں نے اپنے ایک مضمون میں مولانا محمد عثمان صاحب کی اصول پسندی اور ان کے نظم الاوقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''مولانا محمد عثمان صاحب معروفیؒ محرم الحرام ۱۴۰۰ھ بمطابق ۱۵؍نومبر ۱۹۷۹ء مدرسہ جامع العلوم کوپاگنج میں تدریسی خدمت کے لئے تشریف لائے، اور درجاتِ عالیہ میں ساڑھے آٹھ برس تک شرائط دورۂ حدیث کی کتابیں آپ کے زیر درس رہیں، یہاں وہ بہت محتاط طریقے سے رہے، اصول پسندی کو اپنا شعار بنایا، آپ کے اوقات علمی مشاغل میں خرچ ہوتے، کبھی آپ کو بے کار نہیں

بیٹھا دیکھا گیا، مدرسہ کی کوئی مستقل مسجد نہ تھی، اس لئے فجر وظہر کی نماز محلّہ دوست پورہ املی باغ والی مسجد میں ادا کرتے، عصر ومغرب کی نماز اکثر جامع مسجد شاہی میں پڑھتے، اور مدرسہ میں حاضر ہوجانے کے بعد عشا کی نماز مدرسہ ہی میں ناظم صاحب مولانا عزیر احمدؒ اور طلبہ کے ساتھ ادا کرتے، اور عشا کے بعد مطالعہ کرتے، یا کسی کتاب کی تسوید میں مشغول ہوجاتے۔ مولانا کا یہ مشغلہ سالوں سال اسی طرح جاری رہتا، اس لئے کو پاگنج کے تدریسی ایام میں بہت ساری کتابیں منصۂ شہود پر آئیں۔ جون ۱۹۸۸ء میں آپ کی مدت ملازمت سرکاری طور پر ختم ہوگئی، اس لئے تدریس سے سبک دوش ہوگئے۔

[از: ماہ نامہ ''پیغام'' پورہ معروف، جلد: ۱۶، شمارہ: ۱۲، جنوری ۲۰۱۵ء]

ایک دفعہ ان کے سامنے لکھنے پڑھنے کی بات آئی تو مولانا نے **احقر انصار احمد** سے اپنی زندگی کے تجربے کی روشنی میں فرمایا: ''ہر کام کے لئے ایک وقت متعین کر لیجئے، اسی وقت میں اس کام کو انجام دیجئے، لکھنے پڑھنے کا بھی اصول اور ایک وقت متعین کر لیجئے تو بڑا فائدہ ہوگا۔'' مولانا اس پر خود عمل کرتے تھے، حتی کہ نماز سے لے کر ان کے کھانے پینے اور تمام چیزوں کا ایک وقت مقرر تھا، اسے وہ اس کے وقت ہی پر انجام دیتے تھے۔

مولانا کے پوتے **مولانا محمد رضوان معروفی** صاحب صدر مدرس الجامعۃ المحمودیہ پورہ معروف نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''دادا صاحب، صاحبِ ترتیب تھے اور تہجد گزار بھی، سفر کے دوران ٹرین میں یا پلیٹ فارم پر نماز پڑھ لیتے، ایسا بہت کم ہوتا تھا کہ نماز چھوٹ جائے، آپ ہمیشہ فجر کی نماز کے بعد کچالہسن شہد میں ملا کر کھاتے تھے تاکہ آنکھ کی روشنی میں مدد ملے، آپ کو کھانے میں کدو اور ساگ بہت پسند تھا، جس دن ساگ اور

کدو کی سبزی ہوتی اس دن کھانا تھوڑا زیادہ کھاتے، خوراک بہت کم تھی، ہمیشہ مجھ سے کہتے تھے کہ کم کھانے سے طبیعت چست رہتی ہے، اور آدمی بیمار کم پڑتا ہے، پوری زندگی میں، میں نے دوبار بیمار پایا کہ اس مرض میں آپ نے دوا استعمال کی ہو۔''

[از: ماہ نامہ ''پیغام'' پورہ معروف، جلد: ۱۶، شمارہ: ۱۲، جنوری ۲۰۱۵ء]

اوصاف وکمالات: مولانا محمد عثمان صاحبؒ نہایت خلیق اور متواضع تھے، چہرے پر مسکراہٹ، کشادہ پیشانی، گھنی ڈاڑھی، اخلاق وشریعت کے پیکر، طبیعت میں سادگی وخاکساری تھی، لباس نہایت سادہ سفید، خاص طور سے ''اڈّھی کا کرتا''، ہر کس وناکس سے مسکرا کر ملنا، گفتگو کرنا اور ظرافتِ طبع ان کی طبیعت ثانیہ تھی۔

ان کے علمی دوست، ہم عصر وہم وطن، مشہور صاحبِ علم وقلم **مولانا محمد زبیر اعظمی صاحب** مقیم ایولہ، نے اپنے دوست کی تدریسی خدمات اور ان کے خلوص کا ان لفظوں میں ذکر کیا ہے:

''فراغت کے بعد ہی سے آپ نے تعلیم وتدریس کا مشغلہ اختیار کیا، یہ مشغلہ پیشہ کے طور پر نہیں، بلکہ علم دین کی خدمت کے جذبۂ صادق کے باعث اختیار کیا تھا؛ اسی لئے آپ سے خدا نے بہت کام لیا، آپ نے سب سے زیادہ تقریباً بیس سال تک اپنی اولین مادر علمی ''مدرسہ معروفیہ'' میں صدر مدرس کی حیثیت سے کام کیا، اور اپنی محنت ولگن کے سبب ہمیشہ نیک نام رہے۔

مولانا محمد عثمان معروفی نے اپنی زندگی کے ایک ایک منٹ کی قدر کی، اگر سبق پڑھا کر طلبہ کو کچھ دیر کے لئے یاد کرنے کی خاطر مہلت دی تو چند منٹ میں اپنا کچھ کام کر لیتے۔ سفر وحضر میں ہمہ وقت کاغذ، قلم اور زیر تالیف کتاب کا خام مسودہ ہمراہ ہوتا۔''

[دعوتِ انسانیت، سہ ماہی مجلّہ، کُرلن، احمد نگر، مہاراشٹر]

''انہیں تمام علوم وفنون پر کافی دسترس حاصل تھی، درسی کتابوں کے افہام وتفہیم میں مکمل عبور تھا، مسائل میں اختلاف ائمہ کو اس طرح بیان فرماتے کہ اس میں کوئی تشنگی باقی نہیں رہ جاتی، دیگر اساتذہ وطلبہ کے معتمد، الفاظ کی توضیح وتشریح میں ان کا فطری ذوق نمایاں تھا، مسائل کے استخراج واستنباط میں وہ منفرد مقام رکھتے تھے۔''

[از: ماہ نامہ ''پیغام'' پورہ معروف، جلد: ۱۶، شمارہ: ۱۲، جنوری ۲۰۱۵ء]

عربی اور اردو زبان میں یکساں طور پر لکھنے والے مشہور ومعروف ادیب حضرت الاستاذ **مولانا نور عالم صاحب خلیل الامینی** ایڈیٹر عربی ماہنامہ ''الداعی'' واستاذ عربی لٹریچر از ہر ہند دارالعلوم دیوبند نے حضرت مرحوم ایڈیٹر ماہنامہ ''مظاہر علوم'' کے اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے اپنے عربی مجلّہ میں لکھا ہے، جس کا ترجمہ ان کے شاگرد **مولانا نوشاد احمد معروفی** استاذ مدرسہ عربیہ منبع العلوم خیرآباد نے کیا ہے، ترجمہ بھی ایسا جس پر ترجمہ کا شک نہ گزر کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصلاً یہ اردو میں لکھا ہوا کوئی مضمون ہو، مولانا امینی مدظلہ رقم طراز ہیں:

''وہ سادہ دل، متواضع اور منکسر المزاج تھے، بڑائی اور برتری سے کوسوں دور، خندہ پیشانی سے ملنے والے، صف اول میں نماز ادا کرنے کے پابند، سفر اور حضر ہر جگہ قرآن کی تلاوت کرنے والے، ہر ایک کے احسان کو یاد رکھتے اور بار بار اس کا تذکرہ کرتے، اور اسی کے مطابق اس کا بدلہ چکانے کی سعی مشکور کرتے، روئے زمین پر چلتا ہوا انسان ہو یا دسترخوان پر موجود کھانا، کسی میں نقص اور عیب نہ نکالتے۔''

آگے مولانا امینی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا محمد عثمان صاحبؒ کا شمار خاموشی اور یکسوئی کے ساتھ علم دین کی خدمت کرنے والے حضرات علمائے کرام میں ہوتا ہے، مشہور ہونا انہیں

ناپسند تھا، شہرت سے ان کو کوئی دلچسپی نہ تھی، بلکہ ہنگامہ اور اپنے آپ کو آشکارا کرنا انہیں ناگوار تھا۔'' [ماہنامہ ''پیغام'' اکتوبر، ۲۰۰۱ء]

صدر مدرسی: مدرسہ یا کسی تعلیمی ادارے کا پرنسپل اور رئیس التدریس دراصل اس ادارہ کی جان اور اس کی تعلیمی و تعمیری ترقی کی شان اور علامت ہوا کرتا ہے، صدر مدرس ہی مدرسہ کی تنزلی اور ترقی کا ذمہ دار اور امین ہوتا ہے۔ یہ تجربہ ہے کہ جب کسی تعلیمی ادارہ کا صدر مدرس باصلاحیت، باوقار، جوہر شناس اور مردم شناس ہونے کے ساتھ موقع و محل کی رعایت اور اخلاص سے تمام مدرسین کو یکساں نظر سے دیکھتے ہوئے کام کرتا ہے، تو وہ کامیاب اور بامراد ہو کر مدرسہ کی نیک نامی اور اپنی شہرت کا بھی سبب بنتا ہے۔ وہ اپنے ادارے کو بام عروج تک پہنچانے کے لئے اپنے اساتذہ کی ٹیم کو فعال بناتا ہے، اور نئے مدرسین کے انتخاب کے موقعے پر وہ اچھے اور لائق مدرس کو ترجیح دیتا ہے، بہت سے ضروری شعبے جو وہاں ابھی کھلے نہ ہوں، اس کے اجرا کے لئے وہ کوشاں رہتا ہے، اور اس کے لئے ماہر استاذ کو ڈھونڈھنے میں وہ خود دلچسپی دکھاتا ہے۔

شعبۂ قراءت: چنانچہ مدرسہ معروفیہ میں جہاں وہ ۱۳۶۹ھ تا ۱۳۸۹ھ، ۱۹۶۹ء ۲۰ / برس صدر مدرس رہے، اس وقت وہاں باضابطہ طور پر شعبۂ تجوید ابھی نہیں کھلا تھا، مولانا نے نہ صرف اس کے آغاز کی ضرورت محسوس کی بلکہ اس کے لئے سفر بھی کیا، رئیس القراء **حضرت مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی** سابق صدر شعبۂ تجوید و قراءت دارالعلوم دیوبند کو استاذ کے طور پر مدرسہ معروفیہ میں لے آئے، جب کہ وہ ابھی تدریس کے تعلق سے بالکل نئے تھے، مگر انھوں نے ان کی قراءت سن کر انہیں منتخب کرلیا اور انتظامیہ نے ان کی اس ''نئی دریافت'' کو سند اعتبار بخشا۔

انہوں نے حضرت مولانا محمد عثمان صاحب کے بارے میں اپنے تأثراتی مضمون میں ان سے اپنی ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے:

''راقم الحروف کی حضرت مولانا محمد عثمان صاحب معروفی سے پہلی ملاقات اس وقت ہوئی جب راقم الحروف دارالعلوم مئو میں زیر تعلیم تھا، راقم کو نعت خوانی کے لئے پورہ معروف مدعو کیا گیا، یہ ملاقات پورہ معروف میں ایک عظیم الشان جلسہ کے موقعہ پر ہوئی، بعد نماز عصر ندی کی سیر بذریعہ کشتی کا پروگرام بنا، اس وقت حضرت مولانا سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا، یہ موقعہ اگر چہ کسی تفصیلی گفتگو کا نہ تھا، مگر پھر بھی یہ مختصر ملاقات جانبین کے دلوں پر ایک نقش چھوڑ گئی۔ ۱۳۸۳ھ میں جب مدرسہ معروفیہ محلّہ بلوہ میں شعبۂ تجوید کے قیام کا پروگرام بنا تو اس وقت راقم الحروف کو دوسری بار ملاقات کا شرف حاصل ہوا، اس موقعہ پر مولانا مئو تشریف لائے، جس کا حال خود موصوف یوں بیان فرماتے ہیں:

''مدرسہ میں جدید شعبۂ تجوید کھولا گیا، دارالعلوم مئو میں قاری کی تلاش کے لئے گیا، **حضرت مولانا قاری محمد مصطفیٰ صاحب مئوی** (متوفی: ۱۳۹۰ھ) نے آپ کو پیش کیا، میں ایک رکوع سن کر مسحور و مفتون ہو گیا، آواز کی دلکشی تکلف اور تصنع سے خالی حروف کی ادائیگی نے بے خود کر دیا، ہر طرح فن پر مکمل قابو یاب پایا، اور آپ کو مدرسہ معروفیہ میں بحیثیت مدرس لے آیا، وہاں ۱۳۸۵ھ تک رہے، اور قراءتِ قرآن کی فضا بدل دی۔''

(تو نے سیارے تراشے ہیں چراغِ شام سے، ص:۱۷)

مدرسہ معروفیہ میں آپ نے بیس سال تک خدمت کا ایک زریں ریکارڈ بنایا، اسی دوران ۱۳۸۳ھ میں آپ کی عنایت سے راقم الحروف کو بھی مدرسہ ہذا میں علم تجوید کی خدمت کا موقعہ ملا، یہ راقم الحروف کی اولین تدریس تھی۔

ان ایام میں حضرت مولانا کی صحبت سے بیش قیمت فوائد اور تجربات حاصل ہوئے، یہیں راقم نے آپ سے تھوڑی بہت خوش نویسی کی ابجد سیکھی، اور اندازہ

ہوا کہ یہ کتنا اہم، معزز اور خوب صورت فن ہے۔

[از: ماہ نامہ ''پیغام'' پورہ معروف، جلد: ۱۶، شمارہ: ۱۲، جنوری ۲۰۱۵ء]

چھوٹوں سے بھی مشورہ: وہ دن ہے اور ان کی زندگی کا آخری دن، اس ۳۹ رسال کے عرصے میں ان کا قاری صاحب سے برابر رابطہ قائم رہا، بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ ہی ہوتا رہا، قاری صاحب دیوبند میں استاذ تجوید تھے، اور حضرت مولانا مظاہر علوم سہارن پور میں شعبۂ صحافت سے وابستہ تھے، اس لئے قربت کے اور زیادہ مواقع ہاتھ آ گئے، مولانا جنہیں اپنا رفیق اور خیر خواہ سمجھتے تھے اس سے رائے مشورہ بھی ضرور کرتے تھے، چنانچہ انہوں نے سہارن پور جانے سے قبل دیگر لوگوں کے علاوہ قاری صاحب سے بھی رابطہ کیا اور ان سے اس سلسلہ میں مشورہ کیا۔

قاری صاحب رقم طراز ہیں:

> ۱۴۱۸ھ میں آپ دیوبند بغرضِ ملاقات تشریف لائے، قیام احقر ہی کے پاس رہا، احقر سے فرمایا کہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے ماہنامہ ''مظاہر علوم'' کے لئے مجھے بطور مدیرِ تحریر مدعو کیا گیا ہے، تم سے مشورہ مطلوب ہے۔ میں نے فوراً عرض کیا: حضرت! بلا تاخیر آپ منظور فرمالیں، احقر اسے ''خیر ختام'' کے طور پر دیکھ رہا ہے، مولانا نے فرمایا: مجھے شرحِ صدر ہو گیا، چنانچہ ۱۴۱۸ھ میں بحیثیت ''مرتب'' آپ کا تقرر ہو گیا، آپ یہاں آخر دم تک رہے۔

حضرت مولانا محمد عثمان صاحبؒ معروفی سنجیدہ، دانشمند، حکیم، مدبر، ذہین اور فطین تھے؛ اس لئے ان کی تربیتی، تعلیمی، تنظیمی اور تعمیری صلاحیتیں مدرسہ کی ترقی اور اس کو شہرت کی بلندی پر لے جانے کے سلسلے میں بہت کام آئیں، ان کا تدریسی دور ہی دراصل مدرسہ معروفیہ کے عروج، ترقی اور اس کے شباب کا زمانہ تھا، انہوں نے اپنے اسلاف سے پائی ہوئی علمی وراثت کو آگے لے جانے میں اہم رول ادا کیا۔

''صدر مدرسی'' ایک ایسا باوقار منصب اور نازک عہدہ ہے جو رابطے اور ''پل'' کا کام کرتا ہے، یوں تو نظامت کا فریضہ بھی ایک اہم اور سیادتی عہدہ ہے جس کے ماتحت تمام اساتذہ اور ممبران ہوا کرتے ہیں، لیکن مدرسہ میں ناظم کے ہر وقت موجود رہنے، یا نہ رہنے سے تعلیم پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا، البتہ اس کے آنے جانے سے صدر مدرس کو ایک پشت پناہ ضرور مل جاتا ہے اور بہت سی چیزیں جو معرضِ التوا میں پڑی رہتی ہیں وہ اس کی وجہ سے وجود پذیر ہو جاتی ہیں، مگر صدر مدرس خاص طور پر جو شفیق ہونے کے ساتھ بارعب بھی ہو، مدرسہ میں اس کا وجود، وہی حیثیت رکھتا ہے جیسے ایک گھر کو داخلی طور پر چلانے کے لئے ایک ''مدبر ماں'' کی ضرورت ہوتی ہے، ناظم صاحب سے اپنی بات کہنے کے لئے ہر ایک ڈرتا اور بچتا ہے، جیسے ایک ''باپ'' کے رعب سے لڑکے بچتے اور دور ہی رہتے ہیں اور اس کی بہ نسبت ماں سے قریب اور بے جھجک بھی رہتے ہیں۔

اس لئے مدرسہ میں صدر مدرس ایک طرف تمام اساتذہ کا سفیر بن کر ان کی آواز کو ناظم تک پہنچاتا ہے، ان کے مسائل جو مدرسین نے ان تک پہنچائے ہیں، وہ متعلقہ ذمہ دار کے روبرو کر دیتا ہے، ایک ناظم کو بھی مدرسین سے متعلق جو کچھ کہنا ہوتا ہے وہ بسا اوقات ان ہی صدر مدرس سے کہتا ہے، طلبہ سے متعلق جتنی شکایتیں، مسائل، اور جتنے معاملات ہیں ان کا تصفیہ تمام کا تمام صدر مدرس ہی کے ذمہ ہوتا ہے، اس لئے صدر مدرس کے ذمہ بڑے کام اور اس کے فرائض بڑے اہم ہوتے ہیں، ایسے عہدہ پر رہ کر اساتذہ کی حمایت حاصل کر کے ان کے اعتماد کی قوت حاصل کر لینا اور طلبہ کی ان کی تعلیم و تربیت کے لحاظ سے ایسی تربیت کر دینا کہ زمانہ تک ان کے تلامذہ ان کو یاد کرتے رہیں، ایسے بڑے اور باصلاحیت اساتذہ جو علم و تدریس میں اپنا منفرد مقام رکھتے ہوں اور ایسے استاذ کو ''ناقابل فراموش استاذ'' کا درجہ دیتے ہوں، یقیناً یہ اپنے استاذ کے لئے بہترین خراجِ عقیدت کے ساتھ ان کی قابلیت و کمالِ استاذی کی دلیل

ہے، ایسا نظریہ مولانا کے بارے میں ان کے تمام شاگردوں اور معاصرین کا ہے۔

طلبہ کی ہمدردی و سرپرستی: مولانا مرحوم ایک علمی آدمی تھے، علم کی نشر و اشاعت ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، وہ عام طور پر علم ہی کے موضوع پر تقریر بھی کرتے تھے، وہ چاہتے تھے کہ علما کی تعداد میں اضافہ ہو، ان پر محنت کی جائے، اچھے علما تیار ہوں، طلبہ دارالعلوم دیوبند جا کر داخلہ لیں، اس کے لئے وہ جب گھر پر تھے، اور کسی مدرسے سے جُڑے نہ تھے، رمضان میں طلبہ ان سے بہت کچھ پڑھنے اور دیوبند میں داخلے کی تیاری کے لئے جاتے تھے، مولانا کب انہیں نامراد واپس کر سکتے تھے، انہیں بلا معاوضہ پڑھا کر انہیں دیوبند داخلے کے لئے تیار کر دیتے، اور اپنے لئے ذخیرۂ آخرت کا انتظام کر لیتے۔

مولانا کی تدریسی خوبیوں کے بارے میں **مولانا ضیاء الدین صاحب ندوی قاسمی خیرآبادی** نے اس طرح روشنی ڈالی ہے:

> ''درس و تدریس کے میدان میں مقبول استاذ سمجھے جاتے تھے، ان کے اندازِ درس سے طلبہ عزیز نہ صرف مطمئن تھے، بلکہ ان کے فضل و کمال کے معترف اور مداح بھی، اور ایسا بہت کم دیکھنے میں آتا ہے کہ کسی استاذ سے ہر فن میں تمام طلبہ مطمئن ہوں، مگر مولانا نے جہاں کہیں بھی نحو و صَرف، منطق و فلسفہ یا ادب و بلاغت اور فقہ و تفسیر سے متعلق کتابوں کو پڑھایا ہے بیحد مقبول و محبوب ہوئے، اسی کے ساتھ طلبہ پر ان کا علمی دبدبہ اور تدریسی رعب بھی قائم رہتا تھا۔''

دادا کی سرپرستی:

مولانا محمد رضوان صاحب حفید حضرت معروفی صدر مدرس الجامعۃ المحمودیہ پورہ معروف نے اس سلسلے میں تحریر کیا ہے:

> ''مؤرخِ اسلام حضرت مولانا محمد عثمان صاحب معروفیؒ کا جب نام آتا ہے تو مجھے بہت سی باتیں یاد آنے لگتی ہیں، ان کی شفقتوں اور محبتوں کے دل کش

نظارے بار بار دیکھنے کو ملے ہیں، اور میں ہمیشہ ان سے مستفید ہوتا رہا ہوں۔

میں ''عم پارہ'' کو کئی سال تک پڑھتا رہا، مگر مجھے چلتا نہ تھا، اور جب دادا صاحبؒ نے پڑھانا شروع کیا تو منجانب اللہ ایسی مدد ہوئی کہ پہلی رمضان المبارک کو شروع کیا اور ۲۷/ یا ۲۸/ رمضان المبارک کو ناظرۂ قرآن مجید مکمل ہوگیا، اب میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ یہ اللہ رب العزت کا بے انتہا فضل وکرم اور دادا مرحوم کی محنت وکوشش کا ثمرہ ہے۔

میری تعلیم قاعدۂ بغدادی سے لے کر عربی اول تک مدرسہ اشاعت العلوم پورہ معروف میں ہوئی، پھر دادا صاحب کے حکم سے ۱۹۹۳ء میں مدرسہ معروفیہ میں داخل ہوا، صدر المدرسین **حضرت مولانا امام الدین** صاحب متوفی: رمضان ۱۴۲۳ھ، دسمبر ۲۰۰۲ء نے داخلے کا امتحان لیا، امتحان لینے کے بعد فرمایا: مولوی صاحب! آپ نے تو ''تیسیر المنطق'' نہیں پڑھی ہے؟ کیسے کام چلے گا؟ یہاں کا نصاب اشاعت العلوم کے نصاب سے کچھ بدلا ہوا تھا، پھر کہا کہ اچھا ٹھیک ہے، آپ کے دادا صاحب سے مل لوں، دیکھوں کیا کہتے ہیں؟ صدر صاحب عصر کی نماز کے بعد گھر پر تشریف لائے، دادا صاحب نے کہا: صدر صاحب! آپ اس کو عربی دوم میں رکھ لیں، میری ذمہ داری پر، پھر کہا کہ اگر نہیں چلے گا تو عربی اول میں کر دیجئے گا، میں اس کو محنت کرادوں گا، داخلہ ہوگیا، میں عربی دوم میں پڑھنے لگا۔

دادا صاحب عربی دوم سے لے کر عربی چہارم تک ساری کتابوں کا مطالعہ بعد نماز مغرب اپنی نگرانی میں گھر پر ہی کراتے تھے، تاکہ اگلا سبق سمجھنے میں کوئی دشواری نہ ہو، اپنی جماعت میں صرف چھ ساتھی تھے، میں نے تو تیسیر المنطق بالکل پڑھی ہی نہیں تھی، مگر دادا صاحبؒ کی محنت وکوشش سے مرقات کا اگلا سبق

اکثر میں ہی پڑھتا تھا۔ دادا صاحب ہر ششماہی اور سالانہ امتحان کا نمبر لکھ کر مانگتے تھے، ہمیشہ اس بات کی تاکید کرتے تھے کہ ہر اگلے امتحان کا نمبر بڑھتا ہی رہے کم نہ ہونے پائے، عربی پنجم کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد میرا ارادہ دیوبند جانے کا نہیں تھا، مگر دادا کے حکم سے دیوبند چلا گیا، کہتے تھے کہ جاؤ محنت سے تیاری کرنا، ان شاء اللہ داخلہ ہوجائے گا، اور اللہ کے فضل وکرم سے داخلہ ہوگیا۔

دادا صاحب ۱۹۹۷ء میں ماہنامہ ''مظاہر علوم'' کے ایڈیٹر منتخب ہوئے، اس طرح سے عربی ہفتم اور دورۂ حدیث شریف تک آپ کی زیر سرپرستی میں نے تعلیم حاصل کی۔

طلبہ کا داخلہ کرانا: میرے سامنے کا واقعہ ہے کہ آپ نے کئی طلبہ کا دیوبند میں داخلہ کرایا ہے، اور آپ جب سلطان پور فیض آباد میں پڑھاتے تھے وہاں کے چھ سات بچوں کا داخلہ دار العلوم مئو میں کرایا، اور ناظم صاحب سے فرمایا کہ آپ ان بچوں کو دورۂ حدیث میں داخل کر لیجیے، بھلے پڑھنے میں کمزور ہیں تاکہ امامت اور مؤذنی کے لائق ہوجائیں۔'' [پیغام جنوری ۲۰۱۵ء]

تصنیف وتالیف: پورۂ معروف یوں تو ایک زمانہ سے علم اور علما کا مرکز رہا ہے، اور یہاں ایک سے بڑھ کر ایک جبالِ علم پیدا ہوئے، جنھوں نے علاقائی اور مرکزی مدارس میں بھی اپنی تدریسی صلاحیتوں کا لوہا منوایا، مگر یہاں کے علما درس وتدریس میں ایسا منہمک ہوئے کہ انہیں تصنیف وتالیف کی طرف توجہ نہیں ہوئی، ایسا نہیں تھا کہ ان میں صلاحیت نہیں تھی، یا وہ تصنیف کی اہمیت سے واقف نہیں تھے، وہ کتابوں کے مطالعہ کے شوقین اور اس کے رسیا تھے، انہیں درس وتدریس اور مطالعہ میں ایسا انہماک رہتا تھا کہ انہیں وقت کے گزرنے کا احساس بھی نہیں ہوتا تھا، توجہ دلانے پر وہ چونک جاتے، مگر ایسی پختہ صلاحیت والے بڑے بڑے علما بھی، وجہ جو بھی ہو، جسے اللہ ہی بہتر جانتا ہے،

قلم کا استعمال نہ کر کے چپکے سے گزر گئے، افسوس ہے کہ ان میں سے بہت سے حضرات کی کوئی تصنیف و تالیف ہمارے سامنے نہ آسکی، جسے ہم اہل علم و قلم کے سامنے ان کی صلاحیتوں کے حوالے سے پیش کر سکیں۔

علم اور علما کے شہر میں اس تعلق سے کمی کا احساس پہلی بار جسے ہوا، اور جس نے اس کمی کو دور کرنے کا بیڑہ اٹھایا، وہ تنہا حضرت مولانا محمد عثمان صاحبؒ کی ذاتِ گرامی ہے، جنھوں نے اس وسیع میدان میں جب اپنے ''اشہبِ قلم'' کو مہمیز کیا، اور اسے دوڑانا شروع کیا تو زندگی کے آخری وقت تک تکان نہیں آئی، اور زندگی کی آخری سانس تک وہ اپنے قلم سے دینِ اسلام کی خدمت کرتے رہے، انھوں نے جب قلم کو حرکت دی تو نہ قلم نے گھسنے کی کبھی شکایت کی، نہ ہی روشنائی نے کبھی خشک ہونے کا رونا رویا، انھوں نے تنہا اس کمی کو پورہ معروف سے دور کرنے کی کامیاب کوشش کی جو خلا ہمیشہ سے اہل علم کی نگاہ میں کھٹکتا تھا، مولانا محمد عثمان صاحبؒ جہاں رہے، انھوں نے اپنے اس فطری ذوق کی تسکین کا انتظام کیا، انھوں نے تدریسی مشغلے کے ساتھ کچھ وقت نکال کر تصنیف و تالیف کے میدان میں ایسی خدمت انجام دی کہ نہ صرف پورہ معروف، بلکہ ہمارا یہ مشرقی علاقہ اس پر فخر کرتا ہے، انھوں نے پورہ معروف میں اس میدان میں پہل کی، اور اتنا آگے بڑھ گئے کہ آج تک کوئی ان کی ہمسری نہیں کر سکا، دو درجن سے زیادہ ان کی تصنیفات و تالیفات ہیں، نیز ان کے قلم سے نکلے ہوئے اہم عنوانات پر کئی سو قیمتی مضامین اخبارات و رسائل کی فائلوں میں دبے پڑے ہوئے ہیں، جنھیں اگر شائع کیا جائے تو ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے، مگر ''تَجْرِي الرِّيَاحُ بِمَا لا تَشْتَهِي السُّفُنُ'' کے مصداق یہ ایسا خواب ہے جو شرمندۂ تعبیر شاید نہ ہو سکے۔

مدرسہ معروفیہ پورہ معروف کے زمانۂ تدریس میں انہوں نے ایک قلمی رسالہ ''**المعروف**'' کے نام سے جاری کیا، مضامین لکھنے کا کام شروع کیا، یہیں رہ کر

انہوں نے اپنی سب سے پہلی کتاب ''**حیاتِ طاہر**'' کی تصنیف کی جسے مدرسہ معروفیہ نے شائع کیا۔

ان کے پُر مغز مضامین دوسرے رسائل و ماہنامے بھی نقل در نقل کر کے اپنے مجلّے میں شائع کرتے، ہندوستان میں تو ایسا بہت ہوتا، لیکن بیرونِ ہند کے مؤقر مجلّے بھی مختلف رسائل سے نقل کر کے اپنے مجلّہ کو قیمتی اور وقیع بنانے کے لئے شکریہ کے ساتھ شائع کرتے، جامعہ فاروقیہ پاکستان سے اردو، عربی اور انگریزی زبان میں شائع ہونے والے ماہ نامہ ''**الفاروق**'' میں، میں نے ان کا ایک مضمون دیکھا جسے انہوں نے اولاً ''**پیغام**'' پورہ معروف میں دیا تھا، پھر وہ ''مظاہر علوم'' میں شائع ہوا تھا، اور وہیں سے شاید معاصر مجلّہ ''الفاروق'' نے شائع کیا تھا، وہ مضمون ''بابری مسجد'' کے انہدام کے بعد اس اینٹ سے متعلق تھا جسے مئو کے دھرم دت ہندو نے اپنی تیسری بلڈنگ میں لگوانا چاہا اور بابری مسجد کی اینٹ لگاتے ہی وہ بلڈنگ آناً فاناً زمیں بوس ہوگئی تھی۔

مضمون نگاری کی تحریک انہیں حضرت مولانا قاضی اطہر مبارکپوری (متوفی: جولائی ۱۹۹۶ء) سے ملی، بلکہ انہوں نے اس کا انہیں ڈھنگ بھی سکھایا، جو ان کے استاذ تھے، خود مولانا معروفی صاحب نے اس بات کا اظہار اس تعزیتی مضمون میں کیا ہے جسے انہوں نے قاضی صاحب کی وفات کے بعد ماہنامہ ''**ضیاء الإسلام**'' شیخوپور، اعظم گڈھ میں اشاعت کے لئے بھیجا تھا، مولانا نے لکھا ہے:

> ''جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور میں مقاماتِ حریری میں نے آپ سے پڑھی، مضمون نگاری کا ڈھنگ آپ نے بتایا، خوب خوب حوصلہ افزائی کی۔''

تصنیفی امتیاز: حضرت مولانا نور عالم صاحب خلیل امینی نے ان کے تصنیفی ذوق اور ان کے امتیازی اوصاف کے بارے میں لکھا ہے:

> ''وہ کئی ایک فن میں ایسی مہارتِ تامہ رکھتے تھے جس سے ان کے اکثر ہم

عصر علما محروم تھے، چنانچہ وہ نثر و نظم میں بڑی بڑی شخصیتوں کی تاریخ وفات نکالنے میں یگانۂ روزگار تھے، نیز وہ فن تاریخ، سیر و تراجم سے حد درجہ شغف رکھنے اور باریک بینی کے ساتھ ان کا مطالعہ کرنے والے قلیل افراد کی صف میں کھڑے تھے، اسی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے ان اہم اور دقیق موضوعات کو قلم بند کیا اور ایسی ایسی کتابیں اور رسالے مرتب کئے جن سے وسعتِ معلومات، کثرتِ مطالعہ اور حالات و واقعات کی تہہ تک پہنچنے میں ان کے حد درجہ اہتمام کا پتہ چلتا ہے۔

وہ کسی بھی واقعہ کو بڑی چھان پھٹک، اور بار بار کے مقابلے کے بعد ہی قبول کرتے تھے، اس کے لئے بطور دلیل ہم ان کی تصانیف میں سے دو کتاب کا انتخاب کرتے ہیں: (۱) ''ایک عالمی تاریخ'' جس کے پانچ ایڈیشن زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ (۲) جب کہ دوسری کتاب ''تذکرۃ الفنون'' ہے، جس میں برّصغیر کے مدارس میں رائج علوم وفنون کی جامع و مانع تعریف اور متداول کتابوں کے مؤلفین کے مختصر حالات زیر بحث آئے ہیں، مزید برآں بہت سے اسلامی موضوعات پر اردو زبان میں قیمتی مقالے اور گراں قدر تحقیقات ان کے قلم سے منظر عام پر آئیں، جو اصول پسندی، توازن، سنجیدگی، عمدہ طرزِ نگارش، فصاحتِ کلام، اور اسلوب کی پختگی سے عبارت ہیں۔

ان کا امتیازی وصف یہ تھا کہ ان کے نوکِ قلم سے صفحۂ قرطاس پر آیا ہوا مختصر مقالہ ہو، بیش قیمت تحقیق ہو، یا شستہ تالیف وتصنیف، اس سے ایسے تعلیم یافتہ مصنفین، مؤلفین اور مقالہ نگاران بھی استفادہ کرتے تھے جو مضمون نگاری کے پیشہ ور صاحبان سے خود کو الگ رکھتے ہیں، جنہیں معلومات کی صحت، زبان و بیان کی درستگی، اور اسلوبِ نگارش کی اصلاح سے سروکار نہیں ہوتا ہے۔''

[ماہنامہ ''پیغام'' پورہ معروف، اکتوبر ۲۰۰۱ء]

قاضی اطہر مبارک پوریؒ سے تعلقات: قاضی صاحب ان کے مخلص استاذ تھے، ان سے انہوں نے علمی میدان میں بہت کچھ سیکھا تھا، مولانا کے قاضی صاحب سے گہرے اور دیرینہ تعلقات تھے، مولانا معروفی لکھتے ہیں:

میرے دسیوں مضامین البلاغ بمبئی میں شائع کئے، ''العقد الثمین''، ''طبقات الحجاج''، ''تعلیمی وتبلیغی سرگرمیاں عہدِ سلف میں''، ''البلاغ کا تعلیمی نمبر'' اور بہت سے رسائل ''البلاغ'' ہدیہ میں عنایت فرمائے۔

میری تالیفات: (۱) حیاتِ طاہر (۲) ایک عالمی تاریخ (۳) مشاہیر پورہ معروف (۴) تاریخ وقائع لاثانی (۵) تذکرۃ الفنون (۶) مشاہیر کوپاگنج (۷) محاسن التواریخ (۸) مفتاح التقاویم پر بڑے حوصلہ افزا تقاریظ اور مقدمے لکھے۔

مولانا نے آگے مزید ان سے اپنے تعلقات کو یوں بیان کیا ہے:

''۱۶/ مارچ ۱۹۸۵ء کو حکومتِ ہند کی طرف سے صدر جمہوریہ گیانی ذیل سنگھ نے آپ کی علمی وتاریخی تصانیف پر اعزازی ایوارڈ عطا کیا، احقر نے اس کی یہ منظوم تاریخ لکھ کر آپ کے پاس بھیج دی تھی:

منظوم تاریخ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم المجید المتین

۱۴۰۵ھ

بہ جشنِ زیبا قاضی اطہر مبارک پوری

۱۹۸۵ء

قاضی اطہر تو ہے بحر اک بے کراں
تیری خدمات علمی بروں از بیاں
اہل علم و حکومت کو تسلیم ہیں
تیری تصنیف و تالیف کی خوبیاں
تیرا موضوع، ہند و عرب رابطہ
تو مؤرخ ہے اسلام کا نوجواں
ہو مبارک حکومت کا ایوارڈ یہ
تمغۂ علم و عزت کا روشن نشاں
جشنِ ایوارڈ کا لکھ دے عثمان سن
وسعتِ کلک کا تو ہے سیل رواں

۱۴۰۵ھ

مولانا معروفی نے قاضی اطہر صاحب مبارکپوری سے اپنے تعلقات کے سلسلے میں مزید لکھا ہے:

''جمادی الاخریٰ ۱۴۱۶ھ میں پھر ۹/ شعبان کو، اس کے بعد ۲۲/ محرم ۱۴۱۷ھ کو احقر آپ سے ملنے کے لئے حاضر ہوا، (قاضی صاحب کی زندگی کے یہ آخری ایام تھے) ہر بار پورے نشاط سے دیر تک باتیں کرتے رہے، الماری سے کئی کتابیں نکال کر دکھائیں، میں نے عرض کیا کہ اب میں آپ کی سوانح مرتب کروں گا، فرمایا کہ میرے حالات کچھ لکھے ہوئے ہیں، لیکن مصر وغیرہ کے میرے نام عربی میں کئی اہم خطوط ہیں، ان کو مرتب کرنا ہے، میں جوں ہی کچھ صحت مند ہوا، ان کو مرتب کرنے کے لئے خط لکھ کر چند روز کے لئے تم کو مبارک پور بلاؤں گا۔''

میں نے ''سیرت الرسول'' نامی ایک کتاب مرتب کی ہے، اس پر تقریظ لکھنے کی درخواست کی، کتاب دیکھ کر بہت خوش ہوئے، تقریظ لکھنے کا وعدہ کیا، میں نے اس کی یاددہانی کا ایک خط لکھا، تو اس کے جواب میں ۲۴ رمضان ۱۴۱۶ھ کا آپ کا ایک مکتوب موصول ہوا:

عزیز گرامی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کئی دن سے سوچ رہا تھا کہ آپ سے وعدہ کیا ہے، اس کو کیسے پورا کروں، اسی درمیان میں پرسوں آپ کا خط ملا، افسوس کے ساتھ لکھتا ہوں کہ اب تک میں لکھنے پڑھنے کے لائق نہیں ہوسکا ہوں، اس لئے اب کے بار آپ کی کتاب پر کچھ لکھنے سے معذور ہوں، حالاں کہ اس پر کچھ لکھنا سعادت مندی کی بات تھی، میری صحت کے لئے دعا کی درخواست ہے۔ والسلام

قاضی اطہر مبارک پوری

مولانا مرحوم کی تصانیف کی خصوصیات: درس وتدریس کی مصروفیت کے ساتھ تصنیف وتالیف کا اعلیٰ ذوق انہیں قدرت کی طرف سے ودیعت ہوا تھا، مولانا مرحوم کی تالیفات کوئی معمولی درجہ کی نہیں ہوتی تھیں، ان کی تحریروں کی خاص بات یہ تھی کہ وہ حشو وزوائد سے پاک، غیر ضروری باتوں سے پرہیز، مغز ہی مغز ان کی تمام کتابوں کی خصوصیت ہے **''مختصر مگر جامع''** ان کی تحریروں اور کتابوں کی پہچان ہے، مولانا مرحوم کی جملہ تصانیف اپنی ان ہی خوبیوں اور استناد کی بنا پر ہر جگہ مقبول اور بڑے بڑے اہل علم سے خراج تحسین حاصل کرچکی ہیں، درجنوں اکابر علما، رسالوں اور ماہناموں کے مبصروں نے ان کی کتاب کی بھرپور تعریف کی ہے، جن میں خصوصیت کے ساتھ محدثِ جلیل ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب الاعظمیؒ، قاضی اطہر مبارک پوریؒ،

حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ، مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری وغیرہم حضرات قابل ذکر ہیں، اور ملک کے مؤقر رسالے اور مجلّے بھی اس میں شامل ہیں۔

مضمون نگاری: مولانا ایک صاحبِ علم و قلم آدمی تھے، مضمون نگاری سے انہیں بہت دلچسپی تھی، ''مظاہر علوم'' مجلّہ سے وہ جب وابستہ ہوئے تو ان کا قلم اور بھی تیز ہو گیا یہ ان کی ضرورت بھی تھی اور ذمہ داری بھی، اس کے ساتھ ہی ملک کے دیگر مشہور و معروف اہل قلم حضرات سے بالخصوص اپنے اہل قلم دوستوں سے وہ خطوط بھیج کر مضمون طلب کرتے تھے، اور ساتھ ہی ساتھ دیگر جگہوں پر بھی مضامین ارسال کرتے تھے۔

میرے عم بزرگوار حضرت **مولانا محمد زبیر اعظمی** صاحب ان سے اپنے باہمی تعلقات کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

''فراغت کے بعد سے کبھی مولانا سے میری مراسلت نہیں ہوئی، جب بھی اپنی جائے ملازمت سے گھر آتا تھا تو تقریباً روزانہ ان سے ملاقات ہوتی تھی، اور پھر تقریباً ۲۵ رسال تک ان سے ملاقات کم ہی نہیں، بہت کم رہی۔ ایک بار پورہ معروف جانا ہوا، ''ایولہ'' واپسی کا وقت تھا کہ اچانک عید کے چاند کی طرح میرے آنے کی خبر پا کر ملنے تشریف لائے، وہ سہارن پور رہتے تھے، سلام و مصافحہ ہوا، دس پندرہ منٹ کی مختصر گفتگو میں انھوں نے ۲۶ رسال کی روداد سنا ڈالی، اور آخر میں مدعا بیان کیا کہ میں ماہنامہ ''مظاہر علوم'' سے وابستہ ہو گیا ہوں، آپ کے مضامین کی مجھ کو ضرورت ہوگی، میں نے حامی بھر لی، پھر رمضان کے بعد سہارن پور سے انھوں نے خط کے ذریعے وعدہ یاد دلایا اور مضمون طلب کیا، چنانچہ میں نے اپنے سطحی غیر تحقیقی اور غیر معیاری مضامین بھیجنے شروع کر دیئے، لیکن اس کا بھی باضابطہ کوئی التزام نہیں کیا، پھر بھی وہ کبھی کبھی خط کے ذریعے یاد دہانی کراتے رہے، میری بعض شعری تخلیقات بھی انھوں نے شائع کیں، وہ خود بھی میرے رسالہ سہ ماہی ''دعوتِ انسانیت'' کے لئے مضمون ارسال

کرتے رہے، بس اسی ساڑھے تین سالہ مدت میں ان سے سلسلۂ مراسلت جاری رہا، کبھی کم کبھی زیادہ، ان کی وفات سے پہلے میں نے دو مہینہ کے مختصر عرصہ میں ان کو تین خطوط بھیجے، اور ان کے دو خط موصول ہوئے۔

ایک خط میں مَیں نے لکھا کہ تیرہ سال پہلے میں نے حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ پر ایک مضمون مفصل تحریر کیا تھا جو کہیں بالاقساط شائع ہوا تھا، جی چاہتا ہے کہ اس کو صاف کر کے ''مظاہر'' کے لئے بھی بھیج دوں، اور ''دعوت انسانیت'' میں بھی شائع کر دوں، جواب آیا، جس کا خلاصہ محض اتنا ہے:

''مولانا عبدالماجد دریابادیؒ پر مضمون ضرور ارسال کریں، لیکن اصل کاپی بھیجیں، فوٹو کاپی نہ بھیجیں، ورنہ ہمارا کاتب نہیں لکھتا۔''

مولانا دریابادی والا مضمون جب میں نے بھیجا تو ایک مختصر خط میں یہ بھی لکھ دیا کہ اب سن وسال کے تقاضے اور کچھ دیگر عوارض کے سبب کافی کمزوری محسوس ہوتی ہے، ان کا جواب آیا:

مکرمی! مولانا محمد زبیر صاحب زید مجدکم

سلام مسنون المستخیر مع الخیر

مولانا دریابادی پر آپ کا مضمون موصول ہوا، آپ کا صمیم قلب سے شکریہ، اب میں بھی کام سے بہت تھکان محسوس کرتا ہوں، کوئی کام نہیں رہتا، عرصہ سے میری آنکھ میں تکلیف رہا کرتی ہے، جو بڑھتی ہی جارہی ہے، خدا سے دعا ہے کہ وہ آپ کو صحت وتوانائی عطا کرے، اور مزید علمی کاموں کی توفیق بخشے، اب چل چلاؤ کا وقت ہے۔ ؎

ہوش و حواس تاب و تواں داغؔ جا چکے
اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا

مولوی ریاض (پورہ معروف، نیاپورہ) پہلے ہی جا چکے تھے، مولانا امانت اللہ صاحب بھی اللہ کے حضور پہنچ چکے ہیں، اب قاری انوار الحق مبارکپوری بھی چل بسے، مولانا ظہیر الحق، پورہ معروف پرانا پورہ، بھی مفلوج ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائیں۔ محمد عثمان المعروفی

جواب میں مَیں نے ایک کارڈ تحریر کیا جس کا خلاصہ اس طرح ہے:

قاری انوار الحق مبارک پوری کی رحلت کا علم مجھے آپ کے خط سے ہوا، ان پر ایک مضمون ضرور تحریر کروں گا، اور ''دعوتِ انسانیت'' میں بھی شائع کروں گا ان شاء اللہ، اب موت کا خیال بہت آنے لگا ہے، ویسے ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ ابھی موت کے آثار بالکل نہیں ہیں۔ لیکن کیا کیجئے گا کہ اب لوگ بغیر آثار کے بھی مرنے لگے ہیں، جینے کے مستحق لوگ چلے جاتے ہیں، قاری انوار مرحوم کی وفات کی خبر سن کر فی البدیہہ ایک شعر زبان پر آ گیا، آپ بھی سن لیں: ؎

دنیا کے عجائب میں ہم نے ایسا بھی عجوبہ دیکھا ہے
جینا تھا جسے وہ جی نہ سکا، مرنا تھا جسے وہ جا نہ سکا

مرحوم دوست کی جانکاہ موت سے بہت صدمہ پہنچا، اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔

[از: ماہ نامہ پیغام، پورہ معروف، جلد نمبر ۱۶، شمارہ نمبر ۱۲، جنوری ۲۰۱۵ء]

آپ اسی تصنیفی ذوق اور مجلّات و رسائل میں قلم کاری کی وجہ سے، ۱۹۹۷ء میں مجلّہ ''مظاہر علوم'' سہارن پور میں مدیر کی حیثیت سے بلائے گئے، یہ کام ان کے ذوق کے بالکل مناسب اور فطری تھا، اس لئے وہ انہیں اتنا راس آیا کہ اسی مجلّہ سے وابستہ ہو کر قلم و قرطاس کی خدمت کرتے کرتے اس دنیا سے تشریف لے گئے، اور پردیس میں اپنی قبر بنوائی۔

مجموعۂ کمالات: ''ماہنامہ پیغام'' پورہ معروف کے مستقل قلم کار عم بزرگوار حضرت

مولانا محمد عزیر صاحب قاسمیؒ متوفی: ۱۷؍نومبر ۲۰۱۲ء سابق استاد حدیث جامعہ اسلامیہ بنارس، جو مولانا محمد عثمان صاحبؒ کے بے تکلف دوست تھے، انہوں نے حضرت کے بارے میں ''پیغام'' میں لکھا تھا:

''مولانا محمد عثمان صاحب معروفیؒ بڑی خوبیوں کے مالک تھے، اب ویسا صاحب قلم، سوانح نگار، نظم ونثر میں لکھنے والا کہاں سے لائیں، ان کی تحریریں اور کتابیں ہمیشہ کے لئے یادگار رہیں گی، احقر نے ان ہی سے مضمون نگاری سیکھی تھی، اس کے رموز ونکات سیکھے تھے، میرا چار مضمون انہوں نے ''مظاہر علوم'' میں شائع کیا۔ میرے ایک مضمون کی ایک صاحب نے خط میں تعریف کی، اس پر مرحوم مجھ سے کہنے لگے کہ ہمارے پاس تو ایسے تحسین آمیز خطوط نہیں آتے ہیں، میں نے ان سے کہا کہ آپ کی تحریریں تعریف سے بالاتر ہیں، مولانا مرحوم لمبی اور طویل تحریروں کو سمیٹ کر چند سطروں میں لکھ دیتے تھے، ان سے میری آخری ملاقات گذشتہ بقرعید کی ہے، دوگانہ سے آتے ہوئے دیر تک گفتگو رہی، مرض اور بڑھاپے سے بہت آہستہ چلتے، میں نے کہا کہ اب گھر ہی رہئے، کہنے لگے کہ اب ہم بھی جانے والے ہیں، قدرت نے ان کے منھ سے یہ کلمات کہلوائے تھے، اللہ والے ایسے ہی چلے جاتے ہیں۔''

[ماہنامہ پیغام پورہ معروف، جون ۲۰۰۱ء]

حضرت مولانا محمد عثمان صاحبؒ کی سب سے پہلی کتاب ''حیاتِ طاہر'' ہے، جس کا تعارف ان کی تصنیفات کے تذکرے میں آئے گا۔

''حیاتِ طاہر'' کے دوسرے ایڈیشن (۲۰۱۴ء) میں اس کے محقق مولانا محمد شاکر صاحب استاذ جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور اعظم گڈھ نے مولانا کے تعارف اور ان کی خوبیوں کے تذکرے میں تحریر کیا ہے:

''بامعنی وبامقصد تعبیرات کے ابجدی اعداد سے سنینِ تاریخ برآمد کرنا آپ کا اپنا فن تھا، مدارس وجامعات، معاہد ومکاتب اور مساجد کی تاریخ تاسیس، علما وفضلا کی ولادت ووفات پر اردو، فارسی، عربی نظم ونثر دونوں میں تاریخ نکالتے، کتابوں کے اسماء، سن تالیف، اور دیگر چیزوں کی عمدہ کئی کئی تاریخیں نکالتے، جن میں کبھی قرآنی آیات، کبھی احادیث وآثار اور کبھی عربی کے شاندار جملوں کا بھی انتخاب ہوا کرتا تھا۔

بعض مشکل علوم جیسے علم عروض وعلم ہیئت وغیرہ، ان میں اچھی دسترس رکھتے تھے، آپ کے اندر اسلامی تاریخ وتذکرہ اور سیرت کا مطالعہ جملہ فنون پر غالب تھا، یہی سبب ہے کہ تاریخ اور تذکرہ نگاری آپ کا محبوب عنوان بن گیا تھا، تدریسی خدمات کے ساتھ بیس سے متجاوز علمی ومفید کتابیں آپ کے گہر بار قلم سے وجود میں آئیں۔

[حیاتِ طاہرؒ، مصنف: مولانا محمد عثمان صاحبؒ، جدید ایڈیشن، ص:۲۱]

معاملات میں ایمان داری: ان کی خوبیوں کے بارے میں ایڈیٹر ''ترجمان دیوبند'' نے جو کہ ان سے کتابوں کی خریداری کا معاملہ کرتے رہتے تھے، لکھا ہے:

''مولانا محمد عثمان معروفیؒ ایک اچھے صحافی، صاحب قلم اور مصنف تھے، ان کی تقریباً ۲۱/ کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں، جن میں سے ''**حالات المصنفین، ایک عالمی تاریخ اور محاسن التواریخ**'' وغیرہ کتابیں علمی حلقوں میں، خاص طور پر مدارس کے طلبہ میں بے حد مقبول ہیں، وہ خود ہی کتابیں لکھتے تھے، اور خود ہی چھاپتے تھے، دیوبند میں ان کی آمد کا ایک بڑا سبب یہی کتابیں تھیں، جنہیں وہ مختلف کتب خانوں میں دیا کرتے تھے، راقم السطور سے مولانا مرحوم کی واقفیت کو ۲۰/ سال کا عرصہ ہونے کو ہے، میں نے اس دوران انہیں نہایت خلیق،

متواضع، حلیم، بردبار اور ایمان دار پایا، کبھی کوئی ضد یا اصرار ان کی طرف سے دیکھنے میں نہیں آیا۔''

وہ وقت اور تقاضے کے اعتبار سے بھی مضامین لکھتے رہتے تھے، اور اسے مختلف اخبارات ورسائل میں اشاعت کے لئے ارسال کردیتے تھے، قاری صاحب نے لکھا ہے:

حالات اور موقع کے لحاظ سے آپ کے مضامین بھی بڑے برجستہ تھے، جامعیت اور چاشنی ودلکشی سطر سطر سے واضح ہوتی، کسی عنوان پر مضمون لکھنے میں نہ تاخیر ہوتی اور نہ تکلف، قلم برداشتہ، نہایت جامع مضمون تیار فرمادیتے، مختلف عنوانات پر آپ کے مضامین گاہے بگاہے اخبارات ورسائل کی زینت بنتے تھے، آپ کے مضامین کی اشاعت بطور خاص الجمعیۃ، البلاغ، ممبئی، القاسم دیوبند، اور ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، معارف اعظم گڈھ، ترجمان الاسلام بنارس، المآثر مئو، وغیرہ میں ہوتی تھی۔

سادگی کا نمونہ: حضرت مولانا فطرتاً سادہ مزاج، محنتی اور جفاکش تھے، ان کو دیکھ کر بڑوں کی یاد تازہ ہوجاتی تھی۔ قاری ابوالحسن صاحب اعظمی نے لکھا ہے کہ:

''حضرت مولانا کے اخلاق اور عادات کے بارے میں کیا لکھا جائے، ہم جو اپنے بڑوں سے، زمانہ کے بڑے بڑوں کے بارے میں سنا کرتے تھے، مولانا سے مل کر ان کی یاد تازہ ہوجاتی تھی، نماز اور اس کے اہتمام، صف اول میں جگہ بنانا، روزانہ بلاناغہ تلاوت قرآن، یہ تو ایسی بات تھی جو ان کی فطرت میں رچی بسی تھی۔

راقم الحروف کو حضرت مولانا کی مستقل میزبانی کے بہت مواقع میسر آئے، کھانے کے بارے میں سادگی ہی کی تاکید رہتی تھی، ہم عرض کرتے کہ حضرت! آپ کے طفیل میں گھر کے دیگر افراد کو بھی کچھ تنوع کا لطف مل جائے، تو ہنس کر

فرماتے کہ ''مگر میری سادگی کا بھی خیال رہے''، معمولی سادہ سا کھانا کھا کر بھی حوصلہ افزا تعریفی کلمات سے نوازتے، ہم جیسے چھوٹوں کی معمولی خدمت کو اس انداز سے بیان فرماتے کہ جیسے کوئی بڑا احسان کر دیا گیا ہو، مولانا کی ایک عادت اور مزاج یہ تھا کہ آپ ہشاش وبشاش اور خوش وخرم رہتے اور ساتھ والے کو مسرور رکھتے:

رنج وغم کو دور کردے خوش مزاجی آپ کی
کام آئی آپ کی بندہ نوازی آپ کی
جب کبھی الجھا ہے راہی گردشِ ایام سے

[از: ماہ نامہ پیغام، پورہ معروف، جلد نمبر ۱۶، شمارہ نمبر ۱۲، جنوری ۲۰۱۵ء]

مشہور ومعروف وماہر قلم کار مولانا ندیم الواجدی صاحب ایڈیٹر ماہنامہ ''ترجمانِ دیوبند'' نے مولانا محمد عثمان صاحبؒ کی سادگی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''ہم اپنے بزرگوں کی پرانی نسل کی زیارت نہیں کر سکے؛ البتہ ہم نے اپنے بڑوں سے ان بزرگوں کی سادگی، تواضع، بے نفسی اور انکساری کے بے شمار واقعات سنے بھی ہیں اور ان کو کتابوں میں پڑھے بھی ہیں، بظاہر یہ واقعات ناقابل یقین لگتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے گویا ہم قرونِ اولیٰ کے بزرگوں کے واقعات سن یا پڑھ رہے ہیں، لیکن جب ہم مولانا محمد عثمان معروفی جیسے لوگوں کو دیکھتے تو ہمیں احساس ہوتا واقعی ابھی کچھ لوگ زندہ ہیں، جو ہمیں ہمارے بزرگوں کی یاد دلاتے رہتے ہیں، وہ سادگی اور تواضع کا ایک ایسا پیکر تھے جس کی مثال آج کے دور میں مشکل سے ملتی ہے، اپنے کسی عمل سے انہوں نے کبھی یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ وہ لائق مدرس رہ چکے ہیں، متعدد کتابوں کے مصنف ہیں، اور بہترین ادیب ہیں، دیوبند میں ان کی آمد ورفت باقاعدگی کے

ساتھ تھی، تقریباً تمام کتب خانوں میں تشریف لے جاتے، دارالکتاب کو بھی اپنی تشریف آوری سے بہرہ مند فرماتے، میں عرض کرتا کہ اب آپ ضعیف ہو چکے ہیں، تشریف آوری میں دقّت ہوتی ہے، حساب کتاب کے لئے کسی کو بھیج دیا کریں، مگر وہ بڑی انکساری کے ساتھ فرماتے: اس بہانے آپ سے ملاقات ہوجاتی ہے، افسوس! کتنے اچھے اچھے لوگ کس قدر تیزی کے ساتھ رخصت ہورہے ہیں۔ [ماہنامہ ترجمان دیوبند جولائی ۲۰۰۱ء]

کتابیں بھی سادہ: ان کی اسی سادگی کا مظہر ان کی کتابوں کی طباعت اور ان کے ٹائٹل بھی ہوتے تھے، مگر اس سادگی میں بھی علمی پُرکاریاں اور گہرائیاں ہوتی تھیں، وہ علمی گل بوٹوں سے اس قدر مزین اور سجی ہوئی ہوتی تھیں کہ یہ ظاہری سادگی اس کی اشاعت اور توسیع میں سدّ باب نہیں بنتی تھی۔

ان کی کتابیں موجودہ طرزِ اشاعت اور ظاہری چمک دمک سے بے نیاز، چکنے کاغذ کے استعمال کے بغیر معمولی کاغذ پر ایسی ہوتی تھیں کہ قارئین کی توجہ کو کتاب کا ظاہری فوکس نہیں کھینچ سکتا تھا، کیوں کہ وہ ان خارجی کشش سے مبرا ہوتی تھیں، لیکن اپنی خصوصیت اور امتیازی افادیت کی حامل ہونے کی وجہ سے اتنی مقبول ہوئیں کہ ان کی کتابوں کے کئی کئی ایڈیشن چھپ کر منظر عام پر آئے، ان کی ایک اہم کتاب ''ایک عالمی تاریخ'' کی پانچ کامیاب اشاعت ان کی زندگی میں ہی ہوگئی، مؤرخین ومؤلفین ان کی اس کتاب سے خاص طور پر مستغنی نہیں ہوسکتے، جب کہ وہ کتابیں کسی بڑے تجارتی ادارے اور مشہور کتب خانوں نے نہیں بلکہ خود انہوں نے اپنے پیسے لگا کر اپنی جانب سے نشر کیا، قارئین جانتے ہیں کہ اس زمانے میں کسی کتاب کی تصنیف کرنا، اس کی کتابت کرانا، تصحیح کر کے خود اس کو اپنی معرفت چھپوانا ''جوئے شیر'' لانے سے بھی مشکل کام اور مستقل دردِ سر ہے۔ مگر مولانا کی ذات ایسی کہ وہ اپنی دھن کے پکے اور

اخلاص سے کام کرنے والے تھے، اس لئے خود اس کے لئے کتب خانوں سے رابطہ کرتے، ان کتابوں کے بوجھ کو وہ اپنے ساتھ لے کر جاتے، اس کی نکاسی کے لئے کوشش کرتے، مختلف اخبارات ورسائل میں اس کتاب کے دو دو نسخے تبصرہ وتعارف کے لئے ارسال کرتے، کتنے لوگوں کو ہدیہ میں دے کر اس کی تقسیم عمل میں لے آتے، کہیں سے کتاب کا آرڈر آتا تو اس کے بھیجنے کے لئے انتظام کرتے، الغرض اس کی نشر واشاعت کے لئے ہر ممکن محنت کرتے۔

اگر چہ مولانا کا خاص میدان تاریخ ہے اور اس میں انہیں ید طولیٰ حاصل ہے، تاہم تاریخ کے علاوہ ان کی کئی مفید کتابیں ہیں جو عوام وخواص کے لئے یکساں طور پر نفع بخش ہیں، جس میں ''درسِ مغفرت'' میں نجاتِ اخروی کا آسان راستہ بتایا گیا ہے، اسی طرح ''پُر تاثیر نماز'' بھی ہے، جس میں نماز کے فضائل ومسائل نہایت آسان اور جامع طریقے سے بیان کئے گئے ہیں، نیز ''ارکانِ تبلیغ'' نہایت مفید ہے، جس میں تبلیغی جماعت کی چھ باتیں، اور جماعتِ تبلیغ کے تمام امیروں کے حالات بھی آگئے ہیں۔

مولانا کی اکثر کتابوں کے نام تاریخی ہیں، جس کے برآمد کرنے کے سلسلے میں وہ ماہر تھے، ایک ہی کتاب کے کئی کئی نام انہوں نے پس ورق میں تجویز کئے ہیں، ان سے سن تصنیف برآمد ہوتا ہے، مثلاً مولانا مرحوم کی کتابوں میں سے ایک کا نام **''نیک خصائل مشاہیرِ پورہ معروف''** ہے جسے انھوں نے ۱۹۷۶ء میں لکھا ہے، کتاب کے نام سے یہی سن نکلتا ہے، سن عیسوی کے ساتھ ہجری تاریخ کے نکالنے کا بھی مولانا نے التزام کیا ہے، چنانچہ اس کتاب کا دوسرا نام جس کا تذکرہ اندرون صفحات میں ہے، وہ یہ ہے **''نیک گوسوانح مشاہیرِ پورہ معروف''** جس سے ۱۳۹۶ھ نکلتا ہے، اسی طرح اس کتاب کے کئی اور نام بھی ہیں۔

حضرت مولانا محمد عثمان صاحبؒ جب سہارن پور میں رہنے لگے تھے، (جس

کی تفصیل آئندہ آئے گی) طویل انتظار کے بعد ذی الحجہ ۱۴۲۰ھ، ۱۹۹۹ء میں پورہ معروف تشریف لائے، ''**المعارف دارالمطالعہ**'' پورہ معروف (سن قیام: ۱۹۹۹ء) میں مولانا کو دعوت دی گئی، مختلف رسالوں، اور خوب صورت رنگا رنگ کتابوں کے ٹائٹل میں حضرت کی بھی کچھ کتابیں رکھی ہوئی تھیں، جسے انھوں نے لائبریری کے لئے ہدیہ میں دیا تھا، ہم لوگوں نے مولانا سے عرض کیا کہ ''حضرت! آج کل کتابوں کے اتنے دل کش اور دیدہ زیب سرورق ہوتے ہیں کہ نظر پڑتے ہی لوگ کتاب کو ہاتھ لگانے پر مجبور ہو جاتے ہیں، لیکن آپ کی تمام کتابوں کا ٹائٹل نہایت سادہ ہوتا ہے، اور ورق بھی غیر مصقول بالکل سادہ سا؟ فرمایا کہ ہاں جی! اس کا مجھے بھی احساس ہو رہا ہے، اس لئے میں نے اب اس کی طرف توجہ کر دی ہے، چنانچہ ''سیرت الرسول ﷺ'' کا ٹائٹل نہایت شان دار اور دیدہ زیب بنوا دیا ہے، اور کاغذ بھی اچھا لگوایا ہے۔

وعظ وتذکیر: حضرت مولانا پیشہ ور مقرر تو نہیں تھے لیکن قرب وجوار کے جلسوں اور پروگراموں میں کبھی کبھار شرکت فرما لیتے تھے، اور نصف گھنٹہ یا اس سے کم وبیش وعظ فرماتے، علم کے موضوع پر زیادہ روشنی ڈالتے۔

شوال ۱۴۱۹ھ میں پورہ معروف کے تمام علمائے کرام کا ایک پروگرام ہم لوگوں نے مسجدِ ابوبکرؓ نیا پورہ بازار، پورہ معروف میں رکھا، یہ اجتماع کسی خاص موضوع سے متعلق نہیں تھا بلکہ عمومی اور تذکیری انداز کا تھا، تاکہ علمائے کرام اپنی حیثیت اور مقام کو سمجھیں، اور جہاں جہاں وہ رہتے ہوں اپنے فرائض کی ادائیگی کے ساتھ زندگی گزاریں، اس کے لئے عید کے موقعہ کی تعطیل کو غنیمت سمجھ کر یہ جلسہ منعقد کیا گیا، الحمدللہ یہ اجلاس بہت کامیاب رہا، اس میں حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی، حضرت مولانا اسرار الحق صاحب حسینی، حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ کی تقریریں ہوئیں، ساتھ ہی حضرت مولانا محمد عثمان صاحبؒ کا بھی نصف گھنٹہ تک وعظ

ہوا، آپ نے اس پروگرام میں علما کے مقام اور ان کی ذمہ داریوں کے بارے میں بصیرت افروز خطاب فرمایا، اس میں مولانا نے فرمایا کہ جہلا کا بالکل حق نہیں ہے کہ وہ علما پر انگشت نمائی کریں، اور ان کے عیوب کو تلاش کرتے پھریں۔

دفتر ''النادی الاسلامی'' (قائم شدہ: ۱۹۹۷ء) پورہ معروف بازار میں مختلف مواقع پر ان کا وعظ ہوا، ابھی جب آخری بار (ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ میں) ان کا پورہ معروف آنا ہوا، تو پندرہ روزہ ''پیغام'' جو، اب ماہنامہ ہوگیا ہے، میں دیئے گئے انعامی سوالوں کے صحیح جواب دینے والوں کو تقسیم انعامات کے لئے ایک تقریب کا انعقاد ہوا، اور آپ ہی کے ہاتھوں انعامات کی تقسیم عمل میں آئی، اس موقعہ پر آپ نے ہم لوگوں کی خواہش کے احترام میں کچھ دیر تک وعظ فرمایا، اور جہالت کی تاریکی دور کرنے اور علم کے نور سے منور ہونے کی طرف توجہ دلائی، اور مثالوں کے ذریعے علم حاصل کرنے کے فوائد بتائے، تقریباً پندرہ سال قبل مدرسہ معروفیہ پورہ معروف میں ایک بار انھوں نے ایک بیان میں فرمایا کہ طالب علموں کو علم حاصل کرنے کے ساتھ روزانہ تلاوت کا اہتمام کرنا چاہئے، اس کے لئے وہ ابتدا میں ایک دو پاؤ کا التزام کرلیں تو اس سے بڑے فوائد حاصل ہوں گے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کو وہ عمل زیادہ پسند ہے جو مداومت کے ساتھ کیا جائے چاہے تھوڑا ہو، حضرت جب باہر رہتے تھے تو بھی حسب ضرورت تقریر کرنے ضرور جاتے رہے ہوں گے، جس کا علم نہیں ہوسکا۔

خوش نویسی: مولانا مرحوم نہایت خوش نویس تھے، بلکہ خوش نویسی کے بعض رسم الخط میں آپ لاثانی تھے، اگرچہ آپ نے اس فن کو اپنا پیشہ نہیں بنایا، نہ اس کے لئے آپ نے بہت وقت دیا، تاہم دیوبند میں حضرت مولانا اشتیاق احمد صاحب استاد شعبۂ خطاطی دارالعلوم دیوبند کی توجہ اور خداداد صلاحیت کی وجہ سے آپ اس فن میں دور دور تک مشہور ہوگئے، آپ کی بہترین صلاحیت کا اعتراف آپ کے استاذ نے بھی کیا، بلکہ

ایک بار فرمایا کہ تم جیسا لکھ لیتے ہو میں ویسا نہیں لکھ سکتا، کیوں کہ آپ کئی کئی انچ موٹے حروف اتنی خوب صورتی سے لکھ دیتے کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے، اپنے استاذ سے فرماتے کہ میں نے اپنی طرف سے کوئی حرف نہیں لکھا ہے، جتنے حروف میں نے اس پیپر اور تختی پر لکھا ہے وہ آپ ہی کے ہیں، استاذ تعجب سے کہتے کہ ایسا کیسے؟ تو آپ اپنی کاپی پر ان کی دی گئی اصلاح کو دکھا دیتے، مثلاً اگر اجلاسِ عام لکھنا ہے تو خوشخطی کی کاپی پر استاذ کی دی گئی اصلاح ''ا'' پھر ''جلا'' پھر ''س'' وغیرہ کو تلاش کرتے، اور جس طرح آج کے دور میں فوٹو آفسیٹ کے ذریعے حروف کو مشین کی مدد سے چھوٹا اور بڑا کیا جاتا ہے وہ ان ہی اصلاحات کو ان کے اوزان اور پیمائش کے حساب سے چھوٹا اور بڑا لکھ کر خوب صورتی کے ساتھ فٹ کر دیتے، آپ کی کتابت کے بہت سے نمونے آج پورہ معروف، کوپا گنج کے مدارس ومساجد میں موجود ہیں، اسی طرح طغرا بنانے میں بھی آپ ماہر تھے، براہِ راست شیشہ پر الٹے جانب سے لکھ دیتے تھے۔

مولانا کی خوش نویسی وطغرا سازی کے بارے میں قاری ابوالحسن صاحب تحریر کرتے ہیں:

> خوش نویسی اور طغرا نویسی نہایت معزز فن ہے، حضرت مولانا ایک باذوق اور سلیم الفطرت طبیعت کے مالک تھے، بھلا اس طرف طبیعت کا میلان کیوں نہ ہوتا؟ چنانچہ پورہ معروف کے زمانۂ تعلیم میں آپ نے حضرت مولانا شبلی شیدا خیرآبادی سے خطاطی سیکھی، اور اپنے اس ذوق کو آسودگی بخشی۔
>
> خوش نویسی، نسخ اور نستعلیق اور طغرا میں اللہ رب العزت نے آپ کو امتیاز سے نوازا، علی الخصوص جلی حروف میں متعدد مساجد اور مدارس میں بورڈ جلی حروف میں آپ کے ہاتھوں کندہ ہوکر مدارس ومساجد کی زینت اور حسن میں چار چاند لگا رہے ہیں۔

شیشہ پر وارنش سے طغرا بنانے کا کام بھی آپ نے ایک زمانہ تک کیا، جو نہایت دیدہ زیب اور خوب صورت رنگ برنگ کے گل بوٹوں سے مزین ہوتے، اور بے حد پسند کئے جاتے، راقم الحروف کے پاس ایک زمانے تک آپ کے بنائے ہوئے متعدد طغرے یادگار رہے۔

[از: ماہ نامہ پیغام، پورہ معروف، جلد نمبر ۱۶، شمارہ نمبر ۱۲، جنوری ۲۰۱۵ء]

فن خوشنویسی میں ان کے ایک شاگرد مولانا سمیع اللہ صاحب نے تحریر کیا ہے:

''دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد مزید ایک سال وقت دے کر خطاطی کا فن خطاط شہیر مولانا اشتیاق صاحب متوفی: ۱۹۷۵ء سے سیکھا تھا، خط نستعلیق ان کا بہت عمدہ اور نفیس تھا تدریس کے ساتھ خوش نویسی میں بھی کامل مہارت تھی، جلسے جلوس کے بینر، بورڈ، مدارس ومساجد کے کتبے جلی قلم اور خوش نما انداز میں ایسا لکھتے کہ لوگ دیکھ کر عش عش کرنے لگتے، انہیں دیکھ کر مولانا کی یاد تازہ ہوجایا کرتی ہے۔''

مولانا انسان گر تھے، لہذا تلامذہ کو انسان بنانے کی فکر موجزن تھی، چونکہ وہ ایک مدبر اور دور اندیش انسان تھے، مستقبل کے حالات وحوادث سے مقابلے کی صلاحیت تلامذہ میں پیدا کرنا چاہتے تھے، تاکہ کوئی طالب علم بے کار نہ رہے، اپنی ہی طرح طلبہ کو ڈھالنے کی فکر میں رہتے تھے، اور زندگی میں کام آنے والا فن خوش نویسی طلبہ کو سکھاتے، فن خطاطی کے تلامذہ میں ان کے صاحبزادے محمد سفیان معروفی، مولانا مطیع الرحمٰن معروفی، عبدالمنان بلیاوی، قاری ثناء اللہ بہاری، استاذ مظہر العلوم بنارس، عبدالغفار ابراہیم پوری، جناب مولانا افتخار احمد صاحب کوپا گنج، استاذ مدرسہ جامع العلوم اور راقم الحروف وغیرہ شامل ہیں، مولانا کی تاریخ وفات مندرجہ ذیل جملہ سے نکلتی ہے:

وفات گوہر و مورخِ یکتا

۲۰۰۱ء

آہ آہ حاجی مولانا محمد عثمان صاحب معروفیؒ

۱۴۲۲ھ

[از: ماہ نامہ پیغام، پورہ معروف، جلد نمبر ۱۶، شمارہ نمبر ۱۲، جنوری ۲۰۱۵ء]

مولانا کے متنوع کمالات وخوش نویسی کی تعریف میں رطب اللساں حضرت مولانا نور عالم صاحب خلیل امینی یوں رقم طراز ہیں:

آپ نے اپنی پوری زندگی درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں گزاری، آخر میں آپ نے یکم ربیع الاول ۱۴۱۸ھ سے تا وقت وفات، ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور کی ادارت کی خدمت سرانجام دی، رسالے کو علمی وصحافتی وقار بخشا، اور باذوق قارئین کی توجہات سے رسالے کو نوازا۔ اسی پر بس نہیں بلکہ وہ ایک باکمال کاتب بھی تھے، خط نستعلیق، نسخ اور طغریٰ کی کتابت میں ماہر تھے، ان کی بدولت بہت سے مدارس اور مساجد کے ان گنت کتبے وجود میں آئے، شیشے کے طغرے کی کتابت میں بھی انہیں درک وکمال حاصل تھا۔

[ماہنامہ ''پیغام'' پورہ معروف، اکتوبر ۲۰۰۱ء]

عربی مضمون: مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب ☆ ترجمانی: مولانا نوشاد احمد قاسمی معروفی

خود صاحب سوانح نے اپنی خوش نویسی کے سلسلے میں تحریر کیا ہے:

''خوش نویسی، نسخ ونستعلیق اور طغرا میں بھی یک گونہ امتیاز قدرت نے بخشا ہے، بالخصوص جلی حروف میں، چنانچہ بہت سی مساجد و مدارس کے بورڈ جلی حروف میں احقر کے ہاتھوں کندہ ہیں، مثلاً احیاء العلوم مبارک پور، مفتاح العلوم مئو، مصباح العلوم کوپا گنج، جامع العلوم کوپا گنج، جامعہ حسینیہ جون پور، مدرسہ اسلامیہ سمرون گڈھ نیپال، مدرسۃ الحفاظ کلکتہ، جامعہ اسلامیہ مدینہ، دم دم کلکتہ،

مدرسہ وصیۃ العلوم الٰہ آباد، وغیرہ۔

ناظم عمومی جمعیت علمائے ہند کی طلب پر اس کے کل ہند اکیسویں اجلاس عام میرٹھ، منعقدہ: ۷/۸/۹/ جون ۱۹۶۳ء، بائیسویں اجلاس عام گیا، منعقدہ: ۱۵/ ۱۶/ ۱۷/ اپریل ۱۹۶۶ء اور تیئیسویں اجلاس عام، دلی، منعقدہ: ۵/۶/۷/ مئی ۱۹۷۲ء میں پندرہ یوم پیشتر جا کر اجلاس سے متعلق کل تختیاں بورڈ، اور بینر احقر نے بنائے، بعض اسّی اسّی میٹر لمبے کپڑے پر چار اور پانچ انچ موٹے قلم سے سنہرے اور روپہلے چمک دار کاغذ سے ایسے دیدہ زیب بنائے گئے کہ وہی اجلاس کی زینت اور خراجِ تحسین کے داعی بن گئے۔

[گلدستۂ فاخرہ، ص:۸۷]

تاریخ گوئی: اکابر و مشائخ کی تاریخ رحلت نہایت مناسب الفاظ اور جملوں میں نکال دیتے، وہ تاریخیں اور قطعات اکثر مشائخ کی قبور پر ''کتبہ'' کی شکل میں موجود ہیں، اسی طرح ممتاز شخصیات کی رحلت پر ان کے معتقدین نے ان پر جو رسالوں کے نمبر اور سوانحی خاکے لکھے، وہ حضرت مولانا کے تاریخی قطعات، نظموں اور تاریخی جملوں سے مرصع اور مزین ہوتے تھے۔

مشہور مقولہ، یا کسی حدیث و قرآن کے حصے، یا اشعار میں کسی مسجد، مدرسہ یا کسی شخصیت کی ذات وصفات پر تاریخ نکالنا بڑا مشکل اور دماغ سوزی کا کام ہے، مگر مولانا کے لئے یہ بائیں ہاتھ کا کھیل تھا، منٹوں میں یہ کام کر کے رکھ دیتے تھے۔

مولانا کی اس فن میں مہارت کے سلسلے میں قاری ابوالحسن صاحب اعظمی نے لکھا ہے:

''تاریخ گوئی'' یہ فن بھی نہایت قدیم اور معروف و مقبول ہے، الفاظ و حروف سے ماہ و سال کی تاریخ نکالنے میں حضرت مولانا کو بڑی ہی مناسبت

تھی، بارہا ایسا ہوا کہ فوری طور پر ہاتھ کے ہاتھ تاریخ نکال دی، اور الفاظ و حروف بھی نہایت عمدہ، برمحل اور بھاری بھرکم اور خاص بات یہ کہ اگر کسی کتاب یا شخصیت سے متعلق ہوتی تو اسی کے خاص فن اور اس شخص کے ساتھ خصوصی لگاؤ سے متعلق ایسے کلمات اور الفاظ بروقت زبان وقلم پر طاری ہوتے، جیسے کہ بہت پہلے سے خاصے تفکر اور غور وفکر کے بعد نکالے گئے ہوں۔

راقم الحروف کو اس کا بہت تجربہ ہوا، میری متعدد کتابوں کے لئے آپ نے اتنے عمدہ کلمات اور الفاظ دیئے ہیں کہ دیکھنے والوں نے بھی داد وتحسین سے نوازا، بہت سے مدارس، مساجد اور قبروں کے لئے آپ کے تاریخی مادے ایک شاہ کار کی حیثیت رکھتے ہیں۔'' [حوالۂ بالا]

حضرت مولانا قاری صدیق صاحبؒ باندوی (۱۹۹۶ء) کی رحلت پر آپ نے جو تاریخ صنعت مربع نکالی، اس کو آپ نے ماہنامہ ''مظاہر علوم'' میں شائع کیا، اس کی خصوصیت یہ تھی کہ ان الفاظ کو جس رُخ پر پڑھا جاتا وہی متعینہ تاریخ نکلتی۔

مغالطے سے بچ گئے: مولانا کے اس فن تاریخ گوئی سے لوگوں نے استفادہ کیا اور اس کی وجہ سے کئی بار مغالطے سے محفوظ رہے، تاریخی مادہ نکالنے میں ان کے ایک تلمیذ مولانا اشتیاق احمد دربھنگوی استاذ دارالعلوم دیوبند نے اس کا اعتراف اس طرح کیا ہے:

''اس فن سے ادنیٰ مناسبت کی برکت سے مطالعہ میں بھی متعدد مرتبہ مغالطہ سے بچ گیا، ایک بار حضرت مولانا سید محمد میاںؒ کی کتاب ''علمائے ہند کا شاندار ماضی'' پڑھ رہا تھا، اس میں حضرت مفتی عنایت احمد کاکوروی کا ذکر آیا، ان کی ایک تصنیف ''علم الفرائض'' کے تعارف میں لکھا ہے کہ یہ تاریخی نام ہے، لیکن اس پر حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ نے حاشیہ لکھا ہے کہ یہ تاریخی نام نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ بعض قوی قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب مذکورہ سن میں

نہیں لکھی گئی ہے، میں نے سارے حروف کے اعداد ''محاسن التواریخ'' کے اصول کے مطابق جوڑے تو ''علم الفرائض'' کے تاریخی نام ہونے میں شبہ نہیں رہا، اور سمجھ میں آیا کہ حضرت مولانا سید محمد میاںؒ کو مغالطہ یہ ہوگیا کہ انھوں نے فرائض کے ہمزہ کا عدد ایک جوڑا تھا، حالاں کہ ہمزہ کو یہاں ''ی'' تسلیم کرکے دس جوڑنا چاہئے، حضرت مفتی عنایت احمدؒ نے اس کا عدد دس مان کر نام رکھا ہے، اس لئے کوئی غلطی نہیں، یقیناً وہ تاریخی نام ہے۔

جب حضرت مولانا محمد عثمان صاحب معروفیؒ مظاہر علوم سہارنپور سے دیوبند آئے تو میں نے یہ کہانی سنائی، تو بہت خوش ہوئے، اور دعائیں دیں، راقم الحروف پر جس طرح رسمی طور پر کتاب پڑھانے والے اساتذہ کے احسانات ہیں اسی طرح حضرت مولانا معروفیؒ کے بھی احسانات ہیں، انھوں نے مختلف موقعوں سے صحیح رہنمائی فرمائی، اور بہترین مشورے دیے، جب ماہنامہ ''مظاہر علوم'' کے ایڈیٹر تھے، میں ان کی خدمت میں مضامین بھیجا کرتا تھا، تصحیح کے بعد شائع فرماتے، اور ملاقات کے وقت تحریری نقائص کی نشان دہی فرماتے تھے۔''

[از: ماہ نامہ پیغام، پورہ معروف، جلد نمبر ۱۶، شمارہ نمبر ۱۲، جنوری ۲۰۱۵ء]

دوسروں کو فائدہ پہنچانا: تاریخ گوئی اور مادہ ہائے تاریخ نکالنے کے سلسلے میں مولانا ماہر اور تجربہ کار تھے، اس حوالے سے ان کی کافی شہرت تھی، اس لئے باذوق حضرات ان سے باضابطہ ملاقات کے خواہش مند ہوتے، سفر کرتے، اور ملاقات کا کوئی سنہرا موقعہ مل جاتا تو اسے غنیمت سمجھ کر وصول کرتے، اس سلسلہ میں ان کے ایک خوشہ چیں اور ان سے استفادہ کرنے والے مولانا اشتیاق احمد صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند ہیں جنہیں خوش قسمتی سے دیوبند میں مولانا سے ملاقات کی سعادت حاصل ہوگئی، مولانا نے اس ملاقات کا ذکر اس طرح کیا ہے:

''ابتدائی زمانۂ طالب علمی میں جس شخصیت سے غائبانہ قلبی تعلق پیدا ہوا اور جس کی نابغیت کا سکہ دل و دماغ پر بیٹھ گیا، وہ شخصیت حضرت مولانا محمد عثمان صاحب معروفی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، مدرسہ معروفیہ پورہ معروف میں پڑھے ہوئے ساتھیوں سے برابر موصوف کے اوصاف و کمالات سنتا رہا، خطاطی اور تاریخ گوئی میں آپ فنی شخصیت کے حامل تھے، خصوصاً تاریخ گوئی میں آپ کی عبقریت مسلّمہ تھی، میرے محدود علم میں اس فن میں علما کے درمیان آپ کا کوئی ثانی نہ تھا، اس لئے عربی اول سے آپ کی شاگردی اختیار کرنے کا شوق تھا، لیکن کم سنی اور وسائل کے فقدان کی وجہ سے شرفِ تلمذ سے محروم رہا، یہاں تک کہ دارالعلوم آیا، اور یہاں دورۂ حدیث کا سال بھی پورا ہوگیا، اور شعبۂ افتاء میں داخل ہوا، اتفاقاً ایک دن دارالعلوم دیوبند کے احاطۂ مولسری میں تھا کہ میرے ایک کرم فرما دوست نے بتایا کہ حضرت قاری ابوالحسن اعظمی مدظلہٗ العالی کے یہاں حضرت مولانا محمد عثمان صاحب معروفی تشریف فرما ہیں، یہ سنتے ہی قاری صاحب کی درس گاہ میں حاضر ہوا، ملاقات ہوئی، سلام کیا، مصافحہ کیا اور خاموش بیٹھ گیا، وہاں دیوبند کے مشہور خطاط مولانا طارق صاحب بھی تھے، مختلف موضوعات پر باتیں ہوتی رہیں، عشا کا وقت ہوگیا، پھر عشا کے بعد خدمت میں حاضر ہوا، اور حضرت قاری صاحب زید مجدہٗ نے اپنے حجرے میں قیام کا نظم فرمایا تھا، میں نے اپنی دیرینہ تمنا کا اظہار کیا، حضرت مولانا نے خوشی سے قبول فرمایا اور حوصلہ افزائی کے لئے فرمایا کہ: بہت اچھی بات ہے، یہ کوئی مشکل فن نہیں ہے، اور ساتھ ہی مثال کے لئے چند تاریخ نکال کر دکھا بھی دیئے، اور دیر تک اس موضوع پر بات کرتے رہے، بہت خوشی ہوئی، اتنی عظمت کے باوجود تکلف نام کی کوئی چیز حضرت میں نہیں تھی، خردنوازی میں بے مثال

تھے، اس وقت میں زبانِ حال سے مولانا الطاف حسین حالؔی کا یہ شعر پڑھ رہا تھا:

بہت جی خوش ہوا حالؔی سے مل کر
ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

اگلے دن پھر حاضر ہوا، حضرت نے تاریخ گوئی کے کچھ طریقے بتائے، اور تازہ مثالیں بھی بنا کر دکھائیں، اور فرمایا کہ میری کتاب ''محاسن التواریخ'' عظیم بکڈپو دیوبند میں ہوگی، آپ وہاں سے حاصل کرلیں، اور مشق وتمرین کرتے رہیں، ان شاءاللہ ترقی ہوگی۔

میں گیا، اور کتاب لے آیا اور ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۹۹۸ء کے تاریخی نام کی تخریج شروع کردی، غالباً جمعہ کا دن تھا، یا کوئی چھٹی تھی، اللہ تعالیٰ نے برکت عطا فرمائی، اور تقریباً ڈیڑھ سو ناموں کی تخریج عمل میں آگئی، حضرت کے پاس پہنچا، اور دکھایا، حضرت بہت خوش ہوئے، دعائیں دیں اور حوصلہ افزا کلمات سے نوازا، وہ کلمات آج بھی کانوں میں رس گھول رہے ہیں۔''

مولانا اشتیاق احمد صاحب نے حضرت معروفیؒ کے طریقۂ استخراج وتاریخ گوئی کے سلسلے میں اپنا مشاہدہ یوں پیش کیا ہے:

''حضرت مولانا معروفیؒ میں تاریخ کی تخریج کا عجیب وغریب ملکہ قدرت نے ودیعت فرمایا تھا، موصوف اعداد کی جمع وتفریق میں بالکل غرق ہوجاتے تھے، مشق وتمرین اور ریاضت ومجاہدہ کی وجہ سے ابجدی حروف کے اعداد بالکل ازبر تھے، پوری پوری سطر لکھ لیتے، اور لمحوں میں ان کا حساب نیچے رقم فرمادیتے تھے، حساب کے دوران ذہنی پرواز تو بہت اونچی ہوتی تھی لیکن نگاہ، قلم، اور جسم بالکل ساکت وصامت رہتے تھے، اور سانسوں کے ساتھ گھن گھن کی دھیمی آواز نکلتی رہتی تھی، جو قریب بیٹھنے والے کو سنائی دیتی تھی، کبھی کبھی تو پوری پوری آیت

یا حدیث کی تاریخ تخریج عمل میں آجاتی، اور الفاظ و تراکیب نہایت موزوں و مناسب ہوتے تھے، عام طور سے اہل علم تاریخ کی تخریج تو کر لیتے ہیں مگر موزونیت و تناسب سے وہ اکثر خالی ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا معروفیؒ کو اتنی ریاضت ہوگئی تھی کہ اس طرح کے عیب سے ان کی تحریر پاک تھی، اس میں بہت زیادہ وقت بھی نہیں لگتا تھا، تعجب و حیرت اس وقت اور بھی بڑھ جاتی تھی جب اشعار میں مادۂ تاریخ نکالتے تھے، تاریخ گوئی کی جتنی صنعتیں ہیں مولانا ہر ایک میں مادۂ تاریخ نکالنے پر قادر تھے، تفصیل کے لئے ''محاسن التواریخ'' کا مطالعہ کافی ہوگا۔''

محاسن التواریخ لکھنے کی وجہ: مولانا کی تمام کتابوں کا تعارف اپنے موقعے پر آئے گا، تاہم ان کی اس عجیب و غریب موضوع پر کتاب ''محاسن التواریخ'' کے سلسلے میں مولانا اشتیاق صاحب نے جو تحریر لکھی ہے وہ یہیں پر ذکر کی جارہی ہے، جس میں انہوں نے اس کا بہترین تعارف بھی کرایا ہے اور اس کی خوبیوں کا ذکر جامع طریقے سے فرمایا ہے:

''حضرت مولاناؒ کو شاعری کا بھی اچھا ذوق تھا، آپ نے خود اپنے کلام کا مجموعہ ''گلدستۂ فاخرہ'' کے نام سے ترتیب دیا تھا، اور اس میں مدارس، مساجد اور اکابر و بزرگانِ دین کے تاریخی مادے کو بھی شامل کیا تھا، حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ نے جب ملاحظہ فرمایا تو حضرت مولانا کو اصرار کے ساتھ تاریخ گوئی کے اصول و قواعد اور استخراج کے طریقے مرتب کرنے کی طرف خط لکھ کر متوجہ کیا، چنانچہ حضرت مولانا نے ''محاسن التواریخ'' کے نام سے اس فن پر نہایت ہی جامع کتاب تصنیف فرمائی، اس کتاب کے مطالعہ سے حضرت مولانا کے فنی کمال کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں

حضرت مولانا قاضی اطہر مبارک پوریؒ نے اپنے تأثر کا اظہار ان الفاظ میں فرما یا ہے: اس میں فن کے دریا کو کوزے میں بھر دیا ہے، ان کو تاریخ گوئی کا وہبی ملکہ ہے، انہوں نے یہ کتاب لکھ کر اس فن کی آبرو رکھ لی ہے، اور نہایت اچھے انداز میں اس سے متعلق باتوں کو بیان کیا ہے، اس سے اہل ذوق فن تاریخ گوئی بڑی آسانی سے سیکھ سکتے ہیں۔ [محاسن التواریخ، ص:۴]

اس کتاب کے سرِ ورق پر پوری آیت لکھی ہوئی ہے: ﴿وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ﴾ اس آیت میں ایک طرف تو تلمیح یا براعتِ استہلال ہے کہ یہ کتاب تاریخ گوئی کے فن میں ہے، دوسری طرف عجیب اتفاق یہ ہے کہ اس سے کتاب کی اشاعت کا سن ۱۴۰۷ھ نکلتا ہے، نیز کتاب کا نام بھی تاریخی ہے، بلکہ پیش لفظ میں مزید گیارہ نام درج ہیں جن سے ہجری ۱۴۰۷ھ یا عیسوی ۱۹۸۷ء کی نشان دہی ہوتی ہے۔

کتاب میں سب سے پہلے تاریخ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف لکھی ہے، حروف تہجی کی تعداد بیان کرنے کے ساتھ یہ لکھا ہے کہ ان حروف کے اعداد حضرت آدم علیہ السلام یا حضرت شیث علیہ السلام پر نازل ہوئے اور ''ابجدی ترتیب'' خلیفہ ہارون رشید کے عہد میں مرتب ہوئی، پھر تاریخ گوئی کے اصول بیان کرتے ہوئے اس کی صوری اور معنوی اقسام بیان کی ہیں، پھر اس کی صنعتوں سے تجنیس، مرصع، منقوطہ، رعنا، موصل، غیر موصل، مقلوب، تقسیم، اوائل، فالی ریاضی، نادر، ایجاد، بلیغ، غریب، اشکال، کمال، توشیح، کامل، مسلسل اور مربع سب کو ان کی تعریفات اور مثالوں کے ساتھ سمجھایا ہے، ایسا لگتا ہے کہ جیسے کوئی شفیق استاذ اپنے شاگردِ رشید کو نہایت ہی نچے تلے الفاظ میں اس فن کی باریکیوں سے بہرہ ور کر رہا ہو، اور یہ فن پیچیدہ ہونے کے باجود کوئی مشکل نہ ہو۔

اس میں بہت سی مساجد، مدارس اور جامعات کے مادہ ہائے تاریخ بھی ہیں تا کہ طالب علم ان مثالوں کو سامنے رکھ کر اس میں آسانی کے ساتھ کام یابی حاصل کرلے، اس پر مستزاد یہ کہ بہت سی کتابوں اور علمی شہ پاروں سے متعلق تاریخ گوئی کے مواد کو بھی شامل کر دیا ہے، پھر اپنے بزرگوں میں حضرت مولانا محمد الیاس، حضرت مولانا اعزاز علی، حضرت مولانا حسین احمد مدنی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، حضرت مولانا شاہ وصی اللہ فتح پوری، علامہ محمد ابراہیم بلیاوی، حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمہم اللہ قابل ذکر ہیں ان کی وفات کے مادے ذکر کئے ہیں، پھر شاہانِ مغلیہ اور فرماں روایان اودھ اور مشہور شعرائے ہند کے مادہائے تاریخ لکھے ہیں، ان میں امیر خسرو سے لے کر علامہ انوؔر صابری تک کے اکثر شعرا شامل ہیں، پھر اسمائے حسنٰی کے اعداد بیان کئے ہیں۔

تاریخ گوئی کی تخریج کے وقت طالب علم کو چوں کہ سب سے زیادہ مناسب اعداد والے الفاظ کی ضرورت پڑتی ہے، سب کے ذہن میں اتنا بڑا ذخیرہ عموماً نہیں ہوتا، اس لئے صاحب کتاب نے نہایت ہی جاں فشانی اور دیدہ ریزی سے آٹھ ہزار الفاظ جمع فرمادیئے ہیں ان میں تین سے ایک ہزار ایک تک کے الفاظ ہیں، اس میں ہر عدد کے آٹھ دس الفاظ ہیں، اس سے تخریج میں بڑی مدد ملتی ہے۔

الفاظِ اعداد کے بعد دنیا کی اہم تقاویم کا ایک جامع تعارف کرایا ہے، ان میں بہت سی تقاویم ایسی ہیں جو متروک ہوچکیں، مثلاً مصری تقویم، یہودی تقویم، جولیائی تقویم وغیرہ پھر عیسوی گریگوروی کو ذکر کرنے کے ساتھ ''کبیسہ'' کو سمجھایا ہے، پھر ہندی تقویم کو سمجھایا ہے، جس کو ''شک'' بھی کہتے ہیں، راقم الحروف نے ایک بار ''آئینِ ہند'' میں دیکھا کہ عیسوی کے ساتھ سن اشاعت میں ایک سن درج ہے، مگر اردو ترجمہ میں اس جگہ ''شک'' لکھا ہوا ہے، سمجھ میں

نہیں آ رہا تھا کہ یہ شک کون سی تقویم ہے؟ پھر جب مذکورہ کتاب میں تلاش کیا تو معلوم ہوا کہ ہندی تقویم کا دوسرا نام ''شک'' بھی ہے، اس تقویم کا آغاز ۷۸ء سے ہوا، اس لئے عیسوی تقویم سے مطابق کرنے کے لئے ۷۸/سال گھٹا دیا جاتا ہے، مصنف نے نہایت ہی سلجھے ہوئے انداز میں اس کو سمجھا دیا ہے۔

اسلامی یا ہجری تقویم کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تجویز پر ۱۷ھ میں اس تقویم کو جاری فرمایا اور حضرت عثمان کی رائے کے مطابق سال کا پہلا مہینہ ''محرم'' مقرر ہوا، اتفاق سے وہ جمعہ کا دن تھا، اسی طرح یہ بھی وضاحت ہے کہ چاند کے مہینوں میں انتیس دن کے لگاتار تین مہینے اور تیس دن کے لگاتار چار مہینے ہو سکتے ہیں۔

مختلف تقاویم کے تعارف کے بعد ایک اہم پیچیدگی کو حضرت مولانا معروفیؒ نے حل فرما دیا ہے، وہ عیسوی اور ہجری سنین کا تطبیقی نقشہ ہے، ہمیشہ تاریخی تحریروں میں یا تو ہجری تاریخ لکھی جاتی ہے یا عیسوی تاریخ ہوتی ہے، قارئین کو بسا اوقات تطبیق دینے کی ضرورت پیش آتی ہے، خصوصاً تاریخ ولادت و وفات کی تعیین میں یہ مشکل پیش آجاتی ہے، اس کتاب میں پہلی ہجری سے ۱۵۰۳ھ تک کی تطبیق عیسوی تقویم کے مطابق اس طرح کر دی گئی ہے کہ سن، دن اور تاریخ کا تعین آسان کر کے سب کی مشکل حل کر دی، اسی پر کتاب اپنے اختتام کو پہنچ گئی ہے۔

حضرت مولانا اور ان کی کتاب ''محاسن التواریخ'' سے راقم الحروف کو بہت فائدہ ہوا، متعدد شخصیات کی وفات پر استخراج تاریخ کی توفیق ملی، حضرت قاضی مجاہد الاسلام صاحبؒ کی وفات کے بعد ان کے اوصاف جمیلہ، عہدے، مناصب اور کارناموں کے مادے کافی تعداد میں نکالے، اور جب ایک مکمل

آیت تاریخ وفات کی شکل میں سامنے آئی تو خوشی کی انتہا نہ رہی، وہ آیت یہ تھی ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی زید مجدہٗ نے اس کو دیکھ کر میری حوصلہ افزائی فرمائی، اور بحث ونظر کے خصوصی نمبر میں اس کو شائع فرمادیا۔

[از: ماہنامہ پیغام، پورہ معروف، جلد نمبر ۱۶، شمارہ نمبر ۱۲، جنوری ۲۰۱۵ء]

حضرت مولانا نے ایک ''دائمی جنتری'' تیار کی، اور اسے اپنی کتاب ''ایک عالمی تاریخ'' میں لکھا، جس میں نماز کے دائمی نقشے اور طلوع وغروب سے متعلق تمام امور کا ذکر کیا، اس جنتری کو جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور نے بڑی سائز پر شائع کیا ہے، اب بھی یہ موجود ہے، اس کے بہت بعد مرقاۃ العلوم مئو کی جنتری شائع ہوئی۔

شعروشاعری: آپ کو شعروشاعری سے بھی لگاؤ تھا، آپ نے شاعری بھی کی، آپ کے استاذ حضرت مولانا شبلی صاحب خیرآبادیؒ ہیں جو مدرسہ معروفیہ میں پڑھاتے تھے، وہ بہت اچھے شاعر تھے، استاذ سے شاگرد کے اندر یہ جوہر پہنچا، لیکن تعلیم حاصل کرنے کے زمانے میں آپ نے اس سلسلہ میں کوئی خاص کام نہیں کیا، اس لئے کہنا یہ چاہئے کہ مولانا شبلی صاحب آپ کے اس فن میں استاد نہیں تھے، لیکن ان کی صحبت سے شاعری کے کچھ جراثیم آپ کے اندر غیر شعوری طور پر ضرور آگئے ہوں گے، لہذا آپ کا اس فن میں کوئی استاذ نہیں رہا، نہ آپ کسی کے استاذ بنے، یہ وہبی صلاحیت تھی، جس کا اظہار آپ نے کبھی کبھی حمد، نعت، مرثیہ، اور نظموں کے ذریعے کیا، آپ نے مسجد اور مدرسے کے چندے کے لئے ماحول کے مطابق بہت سی ترغیبی نظمیں لکھیں، آپ کی نعت شریف ''نعتیہ مقابلے'' میں بھی پڑھی جاتی تھی، اس فن میں آپ کی کتاب ''گلدستۂ فاخرہ'' ہے۔ شعروشاعری سے لگاؤ اور مزاولت کی وجہ سے وہ اصلاح وتحسین کے سلسلے میں اپنی رائے بھی اپنے دوستوں کو دے دیا کرتے تھے اور ساتھ ہی حوصلہ

افزائی بھی ضرور کر دیا کرتے تھے۔

ان کے علمی دوست مولانا محمد زبیر اعظمی جو خود بھی ایک صاحب تصنیف شاعر ہیں، وہ لکھتے ہیں:

کسی کے علمی اور قلمی کاموں کو دیکھ کر غیر ممکن ہے کہ انھوں نے ہمت افزائی نہ کی ہو اور آگے بڑھنے کی ترغیب نہ دی ہو، حوصلہ شکنی کے نا مبارک جذبات کا، جو آج ایک وبائی مرض کی صورت اختیار کر چکا ہے کبھی ان کے کوچۂ دل میں گذر نہیں ہوا، میرے نعتیہ کلام ''سلام اس پر'' میں ایک دو جگہ جو اصلاح کی اس سے مجھے بڑی خوشی ہوئی، اس کا ایک شعر ہے:

شاہوں کے محل ہم کو مچھر ہی نظر آئے
اللہ کے اس گھر کا جب جاہ و حشم دیکھا

انھوں نے اپنا خیال یوں ظاہر کیا کہ یہاں ''مچھر'' کی بجائے ''چھپر ہی نظر آئے'' زیادہ موزوں ہے۔ ایک اور مصرعہ میں تھا: ع:

ذروں ذروں نے دی مرحبا کی صدا

ان کا مشورہ تھا کہ ''ذرے ذرے نے دی'' ہونا چاہئے، بقیہ تمام نعتوں پر ان کا تبصرہ وسیع القلبی اور عالی ظرفی کا عکاس ہے۔ قارئین نے ان کے قلم سے نکلے ہوئے بہت سارے تبصرے پڑھے ہوں گے انھوں نے مشورے ضرور دیئے ہیں وہ جانتے تھے کہ ہمت شکن ریمارک سے مصنف کے حوصلے سرد ہو جائیں گے، اور قلم اس کے ہاتھ سے گر جائے گا، میری نثری تصنیف ''ذرہ سے آفتاب'' (جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا کا مفصل تذکرہ) پر ان کے پُر اعتماد تبصرے سے مجھے بڑا حوصلہ ملا۔

[از: ماہ نامہ پیغام، پورہ معروف، جلد نمبر ۱۶، شمارہ نمبر ۱۲، جنوری ۲۰۱۵ء]

ان کی شاعری خاص طور سے نعتیہ اشعار کے بارے میں ماہر قلم کار، انشاء پرداز، صحافی اور طلبہ کے لیے لکھی جانے والی تقریروں پر مشتمل کئی ایک کتابوں کے مصنف **مولانا ضیاء الدین صاحب قاسمی ندوی خیرآبادی** نے یہ بیان قلم بند کیا ہے:

''شعر وادب کی دنیا میں وہ ایک بلند مقام رکھتے تھے، ان کے نعتیہ اشعار میں جذب وکیف اور عشق رسول عربی ﷺ کی جو تپش ملتی ہے اور فن عروض میں ان کو جو مہارت تھی ان دونوں اعتبار سے ان کے نعتیہ اشعار ''اردو ادب'' کا شاہ کار کہلانے کے مستحق ہیں۔''

حضرت کے خاندان کے ایک نوجوان قادر الکلام شاعر اور ان کے بھتیجے ماسٹر ابوذر حماد معروفی استاذ الجامعۃ المحمودیہ پورہ معروف نے مولانا کی شاعری کے سلسلے میں یوں لکھا ہے: ''آپ کے تاریخی اشعار، قطعات، اور نظمیں کتب ورسائل کے ساتھ ''گلدستۂ فاخرہ'' میں دیکھا، بہت پسند آئے، ان سے بہت کچھ سیکھا جا سکتا ہے۔

ماہنامہ پیغام کی سرپرستی: ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ، اگست ۱۹۹۶ء میں جب احقر **انصار احمد معروفی** اور میرے رفیق **مولانا مطیع اللہ صاحب قاسمی** استاذ مدرسہ انوار العلوم پلیا، ضلع اعظم گڈھ، نے اپنے فطری ذوق کی تکمیل کے لئے پورہ معروف سے ایک قلمی ماہنامہ ''**پیغام**'' کے نام سے دیواری رسالہ جاری کرنے کا ارادہ کیا اور اس سلسلے میں عم محترم حضرت مولانا محمد عزیر صاحب قاسمیؒ اور دوسرے علمائے کرام سے مشورہ کیا گیا تو اس کی سرپرستی کے لئے بلاتردد ہم لوگوں کی نظر انتخاب مولانا مرحوم پر پڑی، دوسرے ہی دن ہم لوگ حضرت مولانا محمد عثمان صاحب معروفیؒ کے دولت خانہ محلّہ بانسہ پر گئے، اور اپنے اس عزم کا اظہار کیا گیا اور اس کی درخواست کی گئی کہ آپ اس ماہنامہ کی سرپرستی قبول فرمالیں، تاکہ آپ کے تجربوں اور مشوروں سے ہم فائدہ اٹھاتے رہیں۔

مولانا نے ہمیں ''عزوشرف'' سے نوازتے ہوئے اس عملی اقدام کی توصیف

فرمائی اور تواضعاً فرمایا کہ ''ہم از کار رفتہ لوگ تو جلسوں کی صدارت اور اسی قسم کی سرپرستی کے لئے اب رہ گئے ہیں، کیوں کہ جو کسی کام کا نہیں ہوتا ہے اسی سے جلسوں کی صدارت کرائی جاتی ہے''، اس پر سب کا ایک قہقہہ بلند ہوا، ہم لوگوں نے کہا کہ حضرت ایسا نہ کہئے! آپ اس عمر میں جتنا کام کر رہے ہیں اتنا بیس سال والے چاق و چوبند نوجوان بھی نہیں کر پائیں گے، پھر ہم لوگوں کے اصرار پر آپ نے ہماری درخواست قبول فرمالی، چنانچہ آپ تادمِ واپسیں مکمل پانچ سال پیغام کے سرپرست رہے، اپنے مفید مشوروں سے نوازنے کے ساتھ اپنے قیمتی مضامین بھی عنایت فرماتے رہے۔

اس سلسلے میں رسالے کے نائب مدیر مولانا مطیع اللہ مسعود قاسمی کی تحریر ملاحظہ ہو:

''تقریباً ۱۹۹۴ء میں جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ سے ہم اور مولانا انصار احمد صاحب قاسمی (پھوپھی زاد بھائی) مدرسی ترک کر کے گھر آ گئے، اور حالات کے پیش نظر کچھ دن گھر رہنا پڑ گیا، دریں اثنا یہ بات باہم چل پڑی کہ گھریلو الجھنوں میں رہ کر تعلیمی ترقی سے ہم لوگ دور ہو جائیں گے، لہذا یہ سلسلہ باقی رکھنا چاہئے، بہتر شکل یہ ہے کہ ایک قلمی رسالہ نکالا جائے، اس کے واسطے سے مطالعہ و کتب بینی کا سلسلہ بھی جاری رہے گا، اور لکھنے کی بھی مشق ہوگی، اس وقت مولانا محمد عثمان صاحب موجود ہیں ان سے مشورہ کر لیا جائے، کہ وہ اس میدان کے مرد مجاہد ہیں، چنانچہ حضرت سے رابطہ کیا گیا، انہوں نے ہمیں اپنی سرپرستی سے محروم نہیں کیا اور رسالہ جاری ہو گیا۔''

آگے مولانا نے اسی ضمن میں لائبریری کے قیام پر بھی روشنی یوں ڈالی ہے:

لائبریری کا قیام: مگر ایک مشکل درپیش یہ تھی کہ کتاب کہاں سے آئے؟ اس لئے کہ کتاب کے لئے اچھی خاصی رقم کی ضرورت پڑے گی، اس لئے ہم لوگوں (مولانا ارشاد احمد صاحب، مولانا انصار احمد صاحب اور احقر مطیع اللہ) میں

طے یہ پایا کہ چند لوگوں سے مل کر کچھ کتابیں اکٹھا کر کے ایک لائبریری قائم کی جائے، اس کے لئے سب سے پہلے محلّہ بلوہ کے جناب انیس احمد گرہست، حفیظ الرحمٰن گرافر، حاجی اظہار احمد بن ممتاز احمد وغیرہم سے ملاقات کی گئی، اور کہہ سن کر اٹھارہ سو روپئے یکمشت جمع کئے گئے، اب مئو سے کتاب لانے کا مسئلہ تھا، کچھ روز پہلے پورہ معروف میں ہم لوگوں نے ''النادی الاسلامی'' قائم کی تھی، اس کا دفتر بازار میں ہوتا تھا، جس میں مولانا ارشاد احمد بن خلیل احمد صاحب نئی بستی، دفتر انچارج کی حیثیت سے مقرر تھے، کتابوں سے گہرا ربط و ضبط تھا، اس طرح ۱۹۹۹ء میں اولاً ''معارف القرآن''، ''معارف الحدیث''، اور ''اسلام کیا ہے؟'' کتابیں آئیں، اور النادی الاسلامی کے دفتر میں رکھی گئیں، اور ایک ترجمۂ قرآن حضرت تھانویؒ جناب شفیق احمد بن شریف الحق محلّہ بانسہ کے تعاون سے آیا۔ اس طرح سے مذکورہ حضرات لائبریری کے تعاون میں ''خشتِ اول'' بنے، اور ہم لوگ اس کی ترقی واستحکام میں منہمک ہو گئے۔

کچھ دنوں بعد لائبریری کے لئے ایک مستقل دکان کرایہ پر لی گئی، اور اس کے لئے ایک مستقل نام ''المعارف دار المطالعہ'' تجویز ہوا اور ماہنامہ ''پیغام'' پورہ معروف کے اجرا کے لئے مولانا محمد عثمان صاحب سے ملاقات کی گئی، اور انہیں اس کا سرپرست بنایا گیا اور اس کا پہلا شمارہ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ مطابق اگست ۱۹۹۶ء میں نکالا گیا۔''

خردنوازی: اس طرح مولانا سے تعلق ''پیغام'' کے واسطے سے ہوا، گاہے بگاہے ان کی خدمت میں ہم لوگ آتے جاتے رہتے، مولانا مرحوم کے ملنے کا ایک الگ انداز تھا جب سلام کرتے اور ہم پوچھتے کہ ''خیریت ہے نا؟'' تو جواباً

فرماتے: ''فضل ہے اللہ کا'' نہایت شفقت فرماتے، ضیافت کے ساتھ لکھنے پڑھنے کی ترغیب دیتے۔

ایک بار کا اتفاق ہے، مولانا کچھ علیل تھے، مولانا ارشاد احمد صاحب اور مولانا انصار احمد صاحب بھی ساتھ تھے، اندر سے آواز آئی، کہ آرام فرمارہے ہیں، ہم لوگ واپس ہولئے، جب دوسرے دن ملنے گئے، تو مولانا نے کہا: ''آپ لوگ جب آیا کریں، تو نام بتلادیا کریں، یا باہر ہی سے آواز دے کر ایک نگاہ اوپر ڈال لیا کریں، میرا کمرہ اوپر ہی ہے، آپ لوگوں کے لئے میں نیچے اتر آؤں گا۔ یہ تھی شفقت ومحبت اور یہ تھا قلبی لگاؤ، عمر طبعی کو پہنچ گئے تھے، گھٹنے میں درد کی شکایت رہا کرتی تھی، زینے سے اترنے چڑھنے میں مزید مشکل بڑھ سکتی تھی، اس کے باوجود نیچے آتے، گھنٹہ آدھا گھنٹہ بیٹھتے، اور ہم لوگوں کو محظوظ فرماتے، مولانا کو احقر سے کچھ زیادہ ہی لگاؤ شاید اس وجہ سے تھا کہ نانا جان مولانا ومفتی محمد یٰسین صاحب مبارک پوریؒ (متوفی: ۱۹۸۳ء) آپ کے اہم اساتذہ میں سے تھے، اور نانا جان کے زمانے میں مولانا نے وہاں ۹/سال تدریسی خدمات انجام دی۔''

مفید مشورے: پیغام کی کوئی آمدنی تھی، نہ ہی اسے فروخت کیا جاتا تھا، اس کی تین چار عدد فوٹو کاپی کرا کے مخصوص اہل علم اور بعض معاونین حضرات کی خدمت میں پیش کیا جاتا تھا، ان میں سے بعض حضرات ''خصوصی زرِتعاون'' کے طور پر کچھ پیش کردیتے تھے، لیکن اس سے ''پیغام'' کے اخراجات پورے نہیں ہو پاتے تھے، یہ مشکل جب حضرت مولانا مرحوم کے سامنے پیش کی گئی تو مولانا نے رائے دی کہ بازار میں دوکان داروں سے رابطہ قائم کرکے ان کی دوکان کا تجارتی اشتہار پیغام میں دیجئے، اور ان سے اس کا معاوضہ بھی لیجئے، اس سے ان کی تجارت کو فروغ بھی ہوگا، اور پیغام میں استحکام

بھی آئے گا، چنانچہ اس کا تجربہ کیا گیا اور فائدہ بھی اٹھایا گیا۔

اپنے خیر خواہوں کو بھی اپنے تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں اس کی طلب پر اچھے مشورے دیتے تھے، لوگ ان سے بہت سے معاملے میں رائے لیتے بھی تھے، قاری ابوالحسن صاحب اپنے بارے میں رقم طراز ہیں:

''راقم الحروف کو متعدد بار تجربہ ہوا ہے، کسی بھی اہم کام اور پریشان کن مسئلہ پر آپ سے رجوع کیا، تو مولانا نے ایسی دل دہی کی کہ سارا غم اور ساری الجھن کافور ہوگئی، اپنے خردوں اور شاگردوں کی ترقی کے لئے متفکر بھی رہتے، ان کی ترقیات اور خوشیوں کے لئے راہیں نکالتے، اور جو کچھ بھی ممکن ہوتا کرنے سے دریغ نہ فرماتے، احقر کے جو اساتذہ اور بڑے کرم فرما اکثر یاد آتے ہیں ان میں مولانا معروفی سرفہرست ہیں:

ان کے گئے سے دل کی خرابی نہ پوچھئے
جیسے کسی کا کوئی نگر ہو لٹا ہوا

[از: ماہ نامہ پیغام، پورہ معروف، جلد نمبر ۱۶، شمارہ نمبر ۱۲، جنوری ۲۰۱۵ء]

مولانا کے اندر خورد نوازی کتنی تھی، اس بارے میں مولانا مطیع اللہ صاحب نے لکھا ہے:

''مولانا کے سامنے ہم لوگوں کی حیثیت ہی کیا؟ طفل مکتب، بلکہ اس سے بھی کم، پھر بھی ہم لوگوں کے حق میں حوصلہ افزا کلمات کہے، جس خندہ پیشانی سے ملتے، اور اپنے قیمتی پند و موعظت سے بہرہ ور فرماتے، وہ بیان سے باہر ہے، احقر نے ایک مضمون حضرت مولانا امانت اللہ صاحب متوفی: ۱۹۹۶ء کے سلسلے میں لکھا تھا، اسے میں نے مولانا کی خدمت میں نظر ثانی کے لئے پیش کیا، انہوں نے پورا مضمون حرف بہ حرف پڑھا، جہاں کہیں خامی نظر آئی، نشان

دہی فرمائی، ساتھ ہی ساتھ پیٹھ تھپتھپائی، اور کہا کہ ایسے ہی لکھتے رہو، مضمون سنجیدہ اور اچھا ہے، لکھتے لکھتے لکھنا آتا ہے۔''

مولانا مطیع اللہ صاحب کا آخری پیراگراف بھی پڑھتے چلیں:

ایک دفعہ سہارن پور میں، حضرت سے ملاقات کرنے گیا، مولانا کے یہاں میں اچانک پہنچ گیا، سلام کیا، نام بتلایا، مولانا چونک کر اٹھے، اپنا دونوں ہاتھ میری کمر میں ڈال کر اپنے سینے سے دیر تک محبت میں چمٹائے رکھا، اور فرمایا کہ کیسے آنا ہوا؟ میں نے مولانا طلحہ صاحب سے ملاقات کی خواہش کا ذکر کیا، رمضان کا مہینہ تھا، فرمایا کہ ان کے یہاں بھیڑ بہت رہتی ہے، ملاقات کا موقعہ کم ملتا ہے، افطار کا وقت ہونے والا ہے، میرے ساتھ رہئے گا، ملاقات کرادوں گا، میری انگلی پکڑ کر حضرت کے قریب اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھایا، بعد نماز حضرت سے میری ملاقات کرادی، تعارف بھی کرایا، اللہ تعالی ایسی مہربان شخصیت پر رحم فرمائے،،۔

تعلق برقرار رکھا: ''پیغام'' کے اجرا کے سال ڈیڑھ سال کے بعد آپ جب ماہنامہ ''مظاہر علوم'' سہارن پور کے ''مدیر التحریر'' کی حیثیت سے وہاں چلے گئے، تو وقتاً فوقتاً ان سے خط و کتابت ہوتی رہی، شعبان ۱۴۲۱ھ، دسمبر ۲۰۰۱ء میں ''النادی الاسلامی'' کے ارکان نے ''پیغام'' کو ماہنامہ کے بجائے پندرہ روزہ کردیا، تو اس کی اطلاع حضرت مولانا مرحوم کو دی گئی، آپ نے اس اقدام کو سراہا، مسرت کا اظہار فرمایا، اور دعاؤں سے نوزا۔ آپ نے خط میں لکھا:

محترم مولوی انصار احمد، ایڈیٹر ''پندرہ روزہ پیغام'' پورہ معروف

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

المستخیر مع الخیر و العافیۃ

آپ کا روانہ کردہ خط موصول ہوکر کاشفِ مافیہ ہوا، ''پیغام'' پندرہ روزہ ہوجانے سے خوشی ہوئی، مبارک اور مفید ہو، آپ کی صحت کے لئے دعا کررہا ہوں، حضرت مولانا طلحہ صاحب سے ان کے معتکف میں آپ کے لئے دعا کی درخواست کی، انھوں نے خاص طور سے دعائیں کیں، آپ کے دادا مرحوم (مولانا محمد یٰسین صاحبؒ) پر جو نمبر شائع ہوا ہے، اس کی وجہ سے بڑی مسرت ہوئی، میرے نام مولوی زبیر صاحب نے ڈاک سے ضرور بھیجا ہوگا، مگر مجھے ملا نہیں، اس کے دیکھنے کا بڑا اشتیاق ہے، اس کی ایک کاپی میرے گھر ضرور دیدیں، تاکید جانیں، میں عید پر گھر آنے والا تھا، مگر گھٹنوں کے درد کی وجہ سے ہمت نہیں ہورہی ہے، ان شاء اللہ بقرعید پر حاضری ہوگی، آپ نے جو مضمون لکھا ہے اسے کسی کے ذریعے بھیج دیں، دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں۔

محمد عثمان المعروفی ۱۴؍رمضان ۱۴۲۱ھ

پاکیزہ خط: تحریر اور خط انسان کی طبیعت، مزاج، اور اس کی داخلی کیفیات کا آئینہ دار ہے، علمائے نفسیات کا انسان کی حسنِ خطی اور اس کی بدخطی کے بارے میں کہنا ہے کہ (الف) سیدھی سطریں کاتب کی سلامت روی، اور گرد و پیش سے باخبری، نیز نقصانات وخطرات کے حوالے سے اس کی پیش بندی کی علامت ہیں۔ (ھ) متوازن حروف والی تحریر، جس میں کانٹ چھانٹ نہ ہو، نویسندہ کی نستعلیقیت، نظافتِ طبع، سلیقہ مندی اور ترتیب پسندی کو ظاہر کرتی ہے

[حرفِ شیریں، ص: ۸۸، مولانا نور عالم خلیل امینی]

اس حوالہ سے اگر مولانا مرحوم کا طرزِ تحریر اور حسنِ خط دیکھیں تو مذکورہ ساری خوبیاں آپ کے خط میں موجود تھیں، آپ کا خط بغیر لائن کھینچے ہوئے بھی نہایت صاف

ستھرا اور سیدھی لائن اور اتنا واضح کہ معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی آپ کی تحریر کو روانی سے پڑھ سکتا تھا، مولانا کے حسنِ خط کو دیکھ کر ایسا لگتا تھا کہ جیسے حروف موتی کی شکل میں کسی دھاگے میں پرو دیئے گئے ہوں، جس طرح آج کے دور میں کمپیوٹر کی کتابت ہوتی ہے کہ اس میں جس طرح کے حروف ڈال دیئے گئے ہیں، ویسے ہی لکھنے میں نظر آئیں گے، چاہے لکھنے والا کاتب ہو یا اس سے ناواقف ہو، مگر مولانا کی ہم نے کوئی ایسی تحریر نہیں دیکھی، جس میں جلد بازی سے کام لیا گیا ہو، یا حروف شکستہ اور ناصاف ہوں، جب کہ آپ ہر وقت تحریری میدان میں جمے رہتے تھے، اور کچھ نہ کچھ لکھتے ہی رہتے تھے، تصنیف و تالیف کا سلسلہ برابر جاری رہتا تھا، رسالوں کے لئے مضامین کے ارسال کرنے کا کام بھی ساتھ ہوتا تھا، خط و کتابت بھی کرنا رہتا تھا، لیکن ان کی کوئی تحریر، کسی دوسری تحریر سے قطعاً مختلف نہ ہوتی تھی، مضامین کی ابتدا میں قلم کی روانی کی جو رفتار اور خوب صورتی لئے ہوئے ہوتی تھی وہ آخر تک برقرار رہتی تھی۔ عام طور سے قلم کار حضرات شروع میں تحریر کو صاف ستھرا لکھنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن آخر تک اس کا التزام نہیں کر پاتے، اور ایک ہی مضمون بلکہ خط میں بھی دو قسم کے طرزِ تحریر راہ پا جاتے ہیں، لیکن مولانا اس قسم کے عیب سے پاک تھے، لائن سیدھی رہتی، کمپیوٹر کتابت کی طرح حروف کے نوک پلک اور دائرے میں یکسانیت رہتی؛ اسی لئے ''دریا بکوزہ'' جس طرح ان کے مضامین اور کتابوں کی خصوصیت تھی اسی طرح پورے لفافہ کے مضامین کو پوسٹ کارڈ میں سمو دیتے، گویا ان کی کتاب دریا بکوزہ اور ان کے خطوط لفافہ بہ پوسٹ کارڈ ہوتے تھے، ان کے حسنِ خط کی جو تعریف و توصیف کی گئی ہے وہ کوئی محض دعویٰ نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے اس لئے ثبوت کے طور پر ان کی تحریر کا عکس آئندہ صفحات میں پیش کیا جا رہا ہے، جس میں سے پہلا خط انھوں نے پوسٹ کارڈ پر لکھا اور ساتھ میں تاریخ رحلت کے سلسلے میں پانچ تاریخی اشعار، اپنا تاریخی نام، اور حمد و صلوۃ تاریخی، اور

خوبی یہ کہ سب تحریریں بالکل صاف، نیز اسی پوسٹ کارڈ پر اپنا نام اور تاریخ بھی درج کیا، اور پوسٹ کارڈ کے دوسرے صفحہ کا نصف حصہ بالکل سادہ بچ رہا، یہ مرحوم کی کفایت شعاری اور سلیقہ مندی تھی۔

اکابر سے بھی آپ کے بڑے گہرے اور اچھے تعلقات تھے، جن سے مولانا مرحوم کی خط و کتابت رہا کرتی تھی، ممکن ہے اس حوالے سے ان کی فائلوں میں اکابر کے خطوط موجود ہوں کیوں کہ مولانا مرحوم ایک ایک چیز کو حفاظت اور قرینے سے رکھنے کے معاملے میں مشہور تھے، ہر چیز میں نفاست انہیں پسند تھی، اور ہر ایک ضروری چیز وہ اس کی جگہ پر رکھنا اپنا فریضہ سمجھتے تھے، تاکہ بوقتِ ضرورت اس سے مراجعت کی جاسکے، اور تلاش کرتے ہی وہ چیز مل جائے، اسی وجہ سے ان کی تحریروں میں مقام اور سنہ وغیرہ کی بڑی اہمیت ہوتی تھی، اور اگر کسی کا نام آ گیا تو اس کی تاریخ پیدائش اور وفات وغیرہ ضرور لکھ دیتے، مگر افسوس کہ ان کے گھر سے اکابر کے خطوط کے سلسلے میں کوئی زیادہ خط نہیں مل سکا، چند ہی خطوط مل سکے جو آخر میں شائع کیے جا رہے ہیں۔

اصلاحی تعلق: حضرت مولانا محمد عثمان صاحب ایسے خانوادے کے چشم و چراغ تھے جو مذہبی گھرانہ تصور کیا جاتا تھا جس خانوادے میں صوفیا اور اللہ والے پیدا ہوئے، اہل علم وفضل نے جنم لیا، جو علما اور اولیاء اللہ سے اصلاحی تعلق رکھنے والے اور ان سے محبت کرنے والے تھے، چنانچہ ان کے سگے چچا جناب صوفی قاری عبدالکریم صاحب حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے ہاتھوں سلوک کی منزلیں طے کر کے ان کے خلیفہ ومجاز بنے، مولانا معروفی دیوبند میں تعلیم حاصل کرنے کے زمانے میں اپنے اساتذہ میں وہ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے سب سے زیادہ معتقد تھے، اس لئے ان سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کرلیا، ان سے ملے ہوئے اوراد ووظائف کو پورا کرتے رہے، ان کے انتقال کے بعد انہوں نے پھر کسی سے بیعت

وسلوک کا رشتہ استوار تو نہیں کیا مگر تمام ہی سلسلے کے بزرگوں سے محبت وتعلق رکھتے تھے، بالخصوص شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے، سہارنپور قیام کے زمانے میں حضرت کے صاحبزادے حضرت مولانا پیر محمد طلحہ صاحب کے وہ بہت قریب رہتے تھے، بلکہ رمضان میں بھی وہیں قیام فرما کر ان کی خانقاہ سے استفادہ کرتے تھے۔

پورہ معروف جب رمضان میں تشریف لاتے تو حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ (متوفی: ۲۰۱۳ء) کی خانقاہ میں جاتے رہتے تھے، ایک بار وہاں سے واپسی میں ہم کئی ساتھی ان کے ہمراہ گھر آرہے تھے، راستے میں ان سے بیعت وسلوک کے موضوع پر کچھ باتیں شروع ہوگئیں، ان سے پوچھا گیا کہ آپ کا اصلاحی تعلق کس سے ہے؟ انہوں نے کہا کہ اجی! حضرت شیخ الاسلام کے بعد میرا قلبی رجحان کسی کی جانب اتنا نہیں ہوسکا کہ میں بیعت ہوجاتا، پھر انہوں نے آج کل کے ''جیب بھرو پیر'' جیسے کچھ پیروں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اب تو کچھ جگہوں پہ پیری مریدی بھی ایک تجارت اور دوکان داری کی شکل اختیار کرگئی ہے، ہم نے وہ دَور دیکھا ہے جب یہ کام اخلاص کے ساتھ جاری تھا، اور لوگ ان خانقاہوں سے کچھ ''بن'' کر نکلتے تھے، اس وقت کے مشائخ دنیادار اور زر پرست نہیں تھے۔

صاحب سوانح نے اپنی کتاب ''گلدستۂ فاخرہ'' میں اپنے اصلاحی تعلق کے سلسلے میں لکھا ہے:

> ''رمضان ۱۳۷۰ھ میں ٹانڈہ جاکر استاذِ محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنیؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی، اور حضرت کے تلقین کردہ اوراد و وظائف کا سلسلہ جاری رہا، اور تقریباً ہر سال رمضان المبارک کا آخری عشرہ حضرت کی صحبت میں ٹانڈہ جاکر گزارتا رہا، مراقبہ تک تعلیم بھی پہنچ گئی تھی، کہ حضرت کا ۱۳۷۷ھ میں وصال ہوگیا، اور یہ ناکارہ ؎

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل
کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

مفہوم: ''رہبرِ کامل سے ان لوگوں کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے جو محروم القسمت ہوں، سکندر کو حضرت خضر بھی آبِ حیات سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکے''

کا مصداق رہا۔''

ان کے اصلاحی تعلق کے بارے میں قاری ابوالحسن اعظمی نے لکھا ہے:

''واضح رہے کہ تعلیم و تعلم ہی سب کچھ نہیں ہے، تعلیم و تعلم کا اصلی فائدہ جب ہی ہے کہ وہ ذریعہ بنے تعلق مع اللہ کا، حضرت مولانا محمد عثمان صاحبؒ کا تو گھرانہ تصوف واحسان کے طریق کا رہرو تھا، مولانا کو ابتدا ہی سے ایسا ماحول میسر تھا جس سے طبعی طور پر آپ اس راہ سے مانوس تھے۔

حضرت مولانا کا قلبی تعلق بچپن ہی سے جمعیت علما سے رہا، اور ان کو شروع ہی سے حضرت شیخ الاسلامؒ سے مناسبت تھی، اس لئے ۱۳۷۰ھ میں قیام ٹانڈہ کے زمانہ سے حضرت شیخ سے باقاعدہ بیعت کی، اور آپ کے دست گرفتہ بن گئے، حضرت کے تلقین کردہ اوراد و وظائف کا سلسلہ برابر جاری رکھا، اور تقریباً رمضان المبارک کا آخری عشرہ ٹانڈہ میں حضرت کی صحبت میں گزارتے ہوئے اس راہ کے رہرو رہے، اور یہ سلسلہ برابر آخر تک رہا۔

راقم الحروف کو مولانا معروفی کے ساتھ رہنے کا کئی بار موقعہ ملا، قریب سے دیکھا، خلوت و جلوت میں پرکھا، صحبتِ شیخ اور اوراد و وظائف کی مواظبت کے باعث اس احسانی کیفیت کو واضح طور پر محسوس کیا ہے، مولانا معروفی کی ایک خاص حالت یہ تھی کہ آپ نے خود کو چھپایا اور اس رخ کو مخفی رکھا، ورنہ آج کل کے جیب بھرو پیروں سے آپ کا مقام بہت بلند تھا، مولانا دیوبند آتے، تو

میرے ہی پاس میری درس گاہ سے ملحق کمرے میں قیام فرماتے، اس طرح آخر زمانے کے بہت سے احوال سے براہِ راست مجھے واقفیت ہے۔،،

[از: ماہ نامہ پیغام، پورہ معروف، جلد نمبر ۱۶، شمارہ نمبر ۱۲، جنوری ۲۰۱۵ء]

ذرہ نوازی: حضرت مولانا محمد عثمان صاحب معروفیؒ کے نہ تو ہم شاگرد تھے، نہ ہی ان کے رشتہ دار، علمی کمالات کے اعتبار سے جس طرح وہ ہم سب میں بڑے تھے، اسی طرح عمر کے لحاظ سے وہ اتنے آگے تھے کہ ہم ان کے پوتوں کے درجے میں تھے، وہ زبردست عالم دین، بلند پایہ مصنف، فن تاریخ گوئی میں مشّاق، مقالہ نگاری اور صحافت میں خاص و عام میں معروف اور اپنی بہت سی صلاحیتوں کی بنیاد پر وہ اکابر علما اور مشائخ کبار کے یہاں نہایت وقعت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔

ایسے میں ایک بڑے عالم، صحافی اور مصنف کا ایک نو آموز قلم کار کی حوصلہ افزائی کرنا اور اس کی طرف توجہ کرنا یقیناً ایسے ہی شخص کا کام ہوسکتا ہے جو بڑا دل رکھتا ہے اور جو وسعت ظرفی کے ساتھ ساتھ چھوٹوں کو آگے بڑھا کر دل سے خوش ہوتا ہے۔

حضرت مولانا محمد عثمان صاحب کو عوام و خواص میں بڑی مقبولیت حاصل تھی، وہ مکمل طور سے اکابر کی صف کے آدمی تھے، تاہم اتنی خوبیوں اور امتیازات کے باوجود اصاغر کے ساتھ ان کا رویہ نہایت مشفقانہ تھا، ان سے بڑی محبت سے ملتے، کوئی چھوٹا ان سے ملاقات کو جاتا تو ٹالنے اور نظر انداز کرنے کے بجائے فوراً ملنے کے لئے وقت دیتے، وہ اوپر کی منزل میں رہتے، چڑھنے اترنے میں بھی دقت ہوتی تھی، گھٹنوں میں بھی درد رہتا تھا، مولانا اپنے گھر ''عثمان منزل'' میں رہتے تھے، آپ کی قیام گاہ بالا خانہ پر تھی، کیوں کہ وہاں انہیں یکسوئی حاصل تھی، مگر جب بھی کوئی ملنے جاتا تو آنکھ اور دیگر معذوری کے باوجود بوڑھے وجود کو اٹھائے اوپر سے نیچے آجاتے، اس طرح آنے جانے میں انہیں پریشانی اور تکلیف بھی ہوتی تھی، لیکن ہم لوگ جب جب اور جس

وقت ان سے ملنے جاتے تو اوپر سے فرماتے ''آ رہا ہوں'' چاہے وہ لکھنے پڑھنے میں مشغول ہوں، مگر وقت دیتے۔

ایک بار میں اور مولانا مطیع اللہ صاحب جب ان سے ملنے گئے، ہم لوگوں نے کہا کہ ہم لوگ ملاقات کر کے آپ کو مشقت میں ڈال دیتے ہیں، خود ہمیں آپ کا نیچے آنا بہت گراں گزرتا ہے، یہیں نیچے اپنی قیام گاہ بنا لیجیے، اس پر فرمایا کہ آپ لوگوں کو جب بھی ملنا ہو مجھے آواز دے دیا کیجئے، آپ لوگوں کے لئے اجازت ہے۔

اصاغر کو اکابر کی طرف سے خاطر میں لانے کے لئے ان سے زیادہ محبت اور شفقت کا معاملہ کرنے والا میں نے کم کسی کو دیکھا، ہم لوگ ان کی شفقت و محبت کی وجہ سے ان سے خاصے بے تکلف بلکہ جری ہو گئے تھے، اس لئے ان سے بہت سی چیزوں کی درخواست بصورتِ اصرار کر دیتے، ایک بار میں نے اور مولانا مطیع اللہ صاحب نے ان سے کہا کہ آپ ہمیں اپنا وہ کمرہ دکھایئے جہاں آپ رہتے اور لکھنے پڑھنے کا مشغلہ رکھتے ہیں، یہ درخواست بھی انھوں نے قبول فرمالی، ابھی جب مولانا مرحوم بقرعید کی چھٹی میں گھر تشریف لائے تھے، تو جانے کے سلسلے میں ان کا ریزرویشن ''کسان ایکسپریس'' سے ہولی کے ایام میں تھا، ہم لوگوں نے ان سے عرض کیا کہ آپ ٹکٹ کینسل کرا دیجئے، ایک تو وہ گاڑی ''بیل گاڑی'' کی یاد تازہ کرتی رہے گی، دوسرے یہ کہ ہولی کی وجہ سے رنگ پڑ جانے کا بھی خطرہ ہے۔

وہ عام طور پر تقریر نہیں کرتے تھے مگر کسی بھی پروگرام میں بولنے کے لئے ہم لوگ بہ اصرار تیار کر لیتے تھے اور وہ ذرہ نوازی کرتے ہوئے ہماری بات رکھ لیتے تھے۔

احقر کی طبیعت دائمی نزلہ کی وجہ سے اکثر ناساز رہتی تھی، میں نے حضرت مولانا کو زحمت دیتے ہوئے ایک عریضہ لکھا کہ آپ حضرت مولانا پیر طلحہ صاحب مدظلہٗ سے میرے لئے خصوصی طور سے دعا کی درخواست کر دیجئے، میں نے ان سے یہ دوسری

بار درخواست کی تھی، اور جب بھی میں نے ان کو ان کی خرد نوازی کی وجہ سے زحمت دی، انہوں نے ہمیں شاد کام کیا، اللہ تعالیٰ ان کو ان کے شایان شان بدلہ عطا فرمائے۔ اس وقت آپ نے میری درخواست کی قبولیت کی اطلاع بھی خط کے ذریعے دیدی، ایک شفقت نامہ تحریر فرمایا جس میں کئی باتیں لکھیں، آپ نے لکھا کہ:

''ڈاکٹر محمد بشیر صاحبؒ (بانی مدرسہ ضیاء العلوم، وسابق ناظم مدرسہ معروفیہ) کا سال ولادت ۱۹۱۰ء ہی درست معلوم ہوتا ہے، اس لئے میرے خط والے مضمون میں ۱۹۱۰ء، ۱۳۲۸ھ بنا دیجئے، آپ کی خواہش کے مطابق ان کا تاریخی قطعہ بھی لکھ دیا ہے، اس کو ماہنامہ ''پیغام'' میں شائع کردیں، تازہ ماہنامہ ''پیغام'' ملا، جس میں ڈاکٹر (محمد بشیر) صاحب پر آپ کا مضمون بہت پسند آیا، اللہ کرے آپ جلد سے جلد صحت یاب ہوجائیں، نزلہ کی شکایت دور ہوجائے، میں نے حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب مدظلہٗ سے دعاؤں کے لئے کہا تھا، اب پھر ان شاء اللہ کہوں گا، اصل میں کچھ دنوں سے میرے گھٹنوں میں درد رہنے لگا ہے اس لئے آج کل آنا جانا نہیں ہوتا، اور یہی وجہ ہے خط کے جواب میں تاخیر کی، خدا کرے اب آپ بخیر ہوں، مولوی محمد عزیر، مولوی محمد شبیر، مولوی مطیع اللہ اور مولوی ارشاد احمد وغیرہ کو میری طرف سے سلام مسنون کہہ دیں، اور آپ سب سے میں خود دعائے صحت وعافیت کا خواستگار ہوں، تاخیر سے جواب لکھنے کی وجہ سے معذرت خواہ ہوں۔

محمد عثمان المعروفی، ۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ

اللہ اللہ! کیا ذرہ نوازی اور شفقت تھی کہ خود معذور ہیں، لیکن میری درخواست کو کتنی اہمیت دی، ایک بار دعا کرائی، اور دوسری بار کے لئے بھی امید دلا دیا، اور پھر اطمینان کے لئے خط بھی تحریر فرمایا تو ذرا سی تاخیر کی وجہ سے معذرت بھی فرمائی۔ جزاہ

اللّٰہ أحسن الجزاء.

(مولانا ڈاکٹر محمد بشیر صاحب معروفیؒ، جن کا تذکرہ مولانا نے اپنے خط میں کیا تھا، بانی مدرسہ ضیاء العلوم، پورہ معروف وسابق ناظم مدرسہ معروفیہ، ان کے انتقال پر مولانا محمد عثمان صاحب نے پیغام کے لئے ایک مختصر مضمون اور ایک تاریخی نظم لکھ کر بھیجا تھا، جسے ماہنامہ پیغام کے ستمبر ۲۰۰۰ء کے شمارہ میں اس طرح شائع کیا گیا تھا۔

ڈاکٹر محمد بشیر صاحب

از: مولانا محمد عثمان صاحب معروفی

ڈاکٹر محمد بشیر صاحب ۱۳۲۸ھ، ۱۹۱۰ء میں غالباً پیدا ہوئے، مدرسہ معروفیہ، احیاء العلوم اور مفتاح العلوم مئو میں تعلیم حاصل کر کے ۱۳۵۴ھ میں دار العلوم دیوبند سے فارغ ہوئے، فراغت کے بعد لکھنؤ میں ایک سال رہ کر علم طب پڑھا، دار المبلغین میں قیام رہتا تھا، لکھنؤ سے آکر پورہ معروف میں اپنے مکان پر ایک شان دار مطب قائم کیا، ستر سال تک پورہ معروف کے دینی و سیاسی اسٹیج سے ولولہ انگیز خطاب کرتے رہے، پہلے معروفیہ کے ناظم بنے، پھر حافظ حبیب اللہ صاحب کی وفات کے بعد ۱۳۷۳ھ، ۱۹۵۳ء میں ناظم اعلیٰ بنے، ۱۳۸۹ھ تک نظامت کی، پھر ۱۵/محرم ۱۳۹۶ھ، ۱۹۷۶ء کو اپنی زمین میں مدرسہ ضیاء العلوم قائم کیا، ''کنیا پاٹھ شالہ'' بھی آپ ہی کی زمین میں ہے، آپ نے دس سال تک کرتھی جعفر پور کی پردھانی کی، آپ جہاں کہیں رہے اپنی شخصیت نمایاں کر کے رہے۔

لوح رفیع الشان با تاریخ

۲۰۰۰ء

زندہ دل ڈاکٹر مولوی محمد بشیر — رحمۃ الودود العظیم

۱۴۲۱ھ — ۱۴۲۱ھ

قطعہ بتاریخ جاوید

۱۴۲۱ھ

ناظم تھے اور بانی ضیاء العلوم کے
اعلیٰ خطیب بھی تھے، طبابت میں تھے شہیر
سنہ انیس سو دس میں جن کی ہوئی ولادت
کر ڈالے کارہائے نمایاں یہاں کثیر
ماہِ ربیع الاول اٹھائیس شنبہ کو
دنیائے دوں کو چھوڑ گئے ڈاکٹر بشیر
جولائی کی تھی پہلی سنہ دو ہزار تھا
چودہ سو اکیس سنہ ہجری تھا دل پذیر
وہ باغِ خوشنما میں ہیں در حضرتِ احد
عثمان کہہ دے دونوں ہی تاریخ بے نظیر

محمد عثمان المعروفی کان العزیز لہٗ

۱۴۲۱ھ

ان کے نرم رویہ اور مشفقانہ برتاؤ کی وجہ سے میں نے ایک دن ان سے عرض کیا کہ گھر پر کاروباری مشغولیت کی وجہ سے کچھ لکھنے پڑھنے کا موقعہ نہیں مل پاتا، جب کہ میری خواہش ہے کہ کسی عربی کتاب کا اردو میں ترجمہ کروں؟ فرمایا کہ ہر کام کا نظام الاوقات بنا لیجیے، اس طرح لکھنے پڑھنے کے لئے بھی ایک وقت مقرر کر لیجئے اور اس کو نبھاتے رہیے، اس میں کام بھی ہوتا رہے گا، اور برکت بھی۔

الغرض ان سے بے تکلفی کی وجہ سے گھنٹوں ہم لوگ ان کی خدمت میں گزار دیتے، ابھی جب آخری بار ان کا پورہ معروف آنا ہوا تھا، میں نے مولانا سے عرض کیا

کہ کچھ مضمون میں نے آپ کی خدمت میں ''مظاہر علوم'' مجلّہ میں اشاعت کے لئے بھیجا تھا وہ کب شائع ہو رہا ہے؟ فرمایا کہ جی ہاں، وہ کتابت ہو کر شائع ہونے کے لئے تیار تھا کہ ایک بہت ضروری مضمون کی وجہ سے اسے روک لیا گیا ہے، آئندہ اشاعت میں وہ دو قسط میں آئے گا، اور فرمایا کہ آپ نے اس کی سرخی اتنی لمبی لگادی ہے کہ وہ پوری لائن سمیٹ لے گی، میں نے عرض کیا کہ میں نے تو آپ کو لکھ دیا ہے کہ اس میں حذف و اضافہ اور ردو بدل کا آپ کو پورا پورا حق ہے، انہوں نے فرمایا کہ اور کچھ تو نہیں صرف ہیڈنگ بدل دی ہے۔

آپ ۱۹۶۰ء، ۱۳۸۰ھ میں زیارتِ حرمین سے مشرف ہوئے تھے، اور آخر عمر میں ۱۴۲۰ھ میں دوبارہ حج بیت اللہ کیا، حج کے بعد جب کچھ دنوں پر گھر تشریف لائے، تو ہم لوگوں سے دیارِ محبوب کے در و دیوار اور وہاں کے روحانی مناظر کا پُر لطف تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ''آنکھ وغیرہ کی معذوری کے باوجود خواہش ہے کہ ایک بار اور حرمین شریفین کی زیارت سے آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاؤں۔''

ماہ نامہ ''مظاہر علوم'' کا معیار آپ کی تقرری کی وجہ سے بہت بہتر ہو گیا تھا، اور پابندی سے اس کی اشاعت اور پوسٹنگ ہوتی تھی، جب دوسری بار مولانا حج میں گئے تو مدینہ منورہ میں حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب سے روابط بہت مستحکم ہو گئے تھے، مولانا معروفی حضرت کی عنایات اور کرم فرمائی کو ہم لوگوں سے تفصیل سے بتاتے، آپ کی درخواست پر حضرت مولانا عاشق صاحب نے کئی مضمون ''مظاہر'' کے لئے عنایت فرمایا، اور بعد میں بھی اس کا سلسلہ جاری رہا جس کی افادیت ہر شخص کو مسلّم ہے۔

آخری زیارت اور وفات: حضرت مولانا محمد عثمان صاحبؒ سے ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ میں آخری ملاقات ہوئی، اس بار آپ اپنی عادت کے برخلاف سہارنپور سے طویل قیام کے بعد تشریف لائے تھے، میں نے ایک خط میں ان سے اس صبر آزما انتظار کی کوفت کے

بارے میں لکھا اور آنے کی درخواست کی تھی، آپ نے جواب میں ایک خط ارسال فرمایا جو راقم الحروف اور مولانا مطیع اللہ کے نام مشترکہ تھا، آپ نے سلام اور دعا کے بعد لکھا:

از برائے نامہ ٔما قاصدے در کار نیست
کاروانِ اشک ما منزل بہ منزل می رود

آپ لوگ یاد آتے رہتے ہیں، اور بہت یاد آتے ہیں، میری آنکھوں میں تکلیف رہتی ہے، لکھنے پڑھنے میں تکلیف بڑھ جاتی ہے، چند ماہ سے گھٹنوں میں درد رہتا ہے، چلنے پھرنے میں بڑی پریشانی ہوتی ہے، اٹھنا، بیٹھنا اور مشکل ہوگیا ہے، آپ لوگوں سے دعاؤں کی درخواست ہے۔ خدا کرے آپ لوگ مع احباب بخیر و عافیت ہوں، خدا کرے آپ لوگ اپنے کاموں میں ہمیشہ کامیاب اور ترقی کرتے رہیں۔ عید سے دو روز پہلے آنے کا ارادہ ہے، اس وقت ملاقات کی سعادت حاصل ہوگی۔

محمد عثمان المعروفی ۱۲ر شعبان ۱۴۲۱ھ

لیکن بعض دشواریوں کی وجہ سے مولانا مرحوم عید کے موقعہ پر تشریف نہ لا سکے، چنانچہ رمضان ۱۴۲۱ھ کے ایک خط میں لکھا کہ

''میں عید پر گھر آنے والا تھا، مگر گھٹنوں کے درد کی وجہ سے ہمت نہیں ہو رہی ہے، ان شاء اللہ بقرعید پر حاضری ہوگی''۔

اور اس طرح فرقت کا زمانہ طویل سے طویل تر ہوتا گیا، بالآخر آپ بقرعید کے موقعہ پر تشریف لائے، جب آپ پورہ معروف آئے تو میں نے عرض کیا کہ حضرت! اتنے طویل ایام تک ہم کو آپ اپنے دیدار اور زیارت سے محروم نہ کریئے، اور اب جلدی جلدی تشریف لایئے، مولانا اس پر ہنسے، اور کہا کہ ''اچھا اچھا!!''

افسوس! کیا معلوم تھا کہ حضرت سے یہ آخری ملاقات ہوگی، اور اب ہم آپ

کی زیارت سے بالکلیہ محروم ہوجائیں گے، افسوس کہ اس عظیم اور شفیق شخصیت کی زیارت اور ملاقات کی بات تو دور کی ہے، ہم ان کے کفن دفن میں بھی شریک نہ ہو پائے، بس فون کے ذریعے اچانک ان کے انتقال پُر ملال کی خبر معلوم ہوئی، اور یہ معلوم ہوا کہ فلاں وقت نمازِ جنازہ ہوگی۔

اللہ اللہ! مولانا کو اللہ تعالیٰ شانہٗ کی زیارت اور رفیقِ اعلیٰ سے ملاقات کا شوق تھا، وہ ہماری درخواست پر پورہ معروف کس طرح جلدی جلدی تشریف لاتے؟ آپ مغرب کی نماز کی تیاری میں تھے کہ اچانک گر پڑے، دماغ کی کوئی رگ بری طرح متأثر ہوگئی تھی، فوراً اسپتال لے جایا گیا لیکن جاں بر نہ ہو سکے، اور ۶/جون ۲۰۰۱ء بروز بدھ ۱۳/ربیع الأول ۱۴۲۲ھ اللہ کے راستہ میں دین و مذہب، صحافت، ادب اور ملک وملت کی خدمت کرتے ہوئے تقریباً ۷۵/سال کی عمر میں نصف صدی تک ایک سرگرم حیات گزار کر حیات آفریں کے سپرد کر دیا۔

ان کے آخری لمحات کے بارے میں حضرۃ الاستاذ مولانا نور عالم خلیل الامینی صاحب نے ''الداعی'' میں یوں روشنی ڈالی ہے:

> ''مولانا کا انتقال ۱۳، ۱۴/ربیع الاول ۱۴۲۲ھ مطابق ۶، ۷/جون ۲۰۰۱ء بدھ اور جمعرات کی درمیانی شب میں سہارن پور میں ہوا، جہاں وہ جامعہ مظاہر علوم سے اردو زبان میں شائع ہونے والے کثیر الاشاعت رسالہ ''مظاہر علوم'' کے مدیر التحریر تھے، مولانا ہجری سال کے اعتبار سے تقریباً ۷۵/سال کے تھے، مولانا مرحوم بدھ کے روز حسب معمول اپنے معمولات میں مشغول رہے، کسی چیز کی شکایت نہ تھی، عصر سے مغرب تک ملاقات کے خواہش منداور استفادہ کے آرزو مند طلبہ سے ملاقات کرتے رہے، مغرب سے کوئی دس منٹ پہلے طلبہ نماز کے لئے مسجد روانہ ہوگئے، حضرت کی عادت تھی کہ قضائے حاجت وغیرہ کے بعد نمازِ

مغرب کے لئے وضو کرتے، پھر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے مسجد کا رخ کرتے، لیکن آج ایک عجیب واقعہ دیکھنے کو ملا، نماز مغرب کے بعد جب بعض احباب ان کے کمرے میں پہنچے، تو انہیں بے ہوش پایا، بعجلت تمام اٹھایا، اور اسپتال لے کر پہنچے، مرض کی تشخیص اور علاج و معالجہ کی تدبیر شروع ہوئی مگر تقدیر غالب آئی، اور عشا سے پہلے ہی دار بقا کی جانب کوچ کر گئے۔

[ماہنامہ ''پیغام'' پورہ معروف، اکتوبر ۲۰۰۱ء]

عربی مضمون: مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب ☆ ترجمانی: مولانا نوشاد احمد قاسمی معروفی

إِنَّالِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ وَارْحَمْهُ وَأَسْكِنْهُ فَسِيْحَ جَنَّاتِهٖ

○○○

سانحہ وفات پر صاحبزادۂ محترم کے تأثرات:

مولانا مرحوم کے پس ماندگان میں ان کے اکلوتے صاحب زادے جناب محمد سفیان صاحب ہیں، جنہوں نے مدرسہ معروفیہ میں ابتدائی عربی تعلیم حاصل کی، انہوں نے کتابت اپنے والد محترم سے سیکھی، اسی کو ذریعۂ معاش بنایا، ممبئی میں تیس سال سے زیادہ عرصے سے مقیم ہیں، لیکن اب کمپیوٹر آنے کے بعد کاتبوں کا کام کمپیوٹر آپریٹروں کو منتقل ہوگیا، اس لئے جب پریشانی کا سامنا ہوا، اور بے روزگاری بڑھی تو انہوں نے کچھ امیٹیشن کے سلسلے کا گھریلو کام شروع کردیا، جس کا تعلق ممبئی سے ہے، وہیں سے کام لاتے ہیں اور گھر پر بچوں کے ساتھ مل کر کرتے ہیں، اللہ تعالی انہیں صحت، عافیت اور برکت عطا فرمائے۔ آمین۔

مولانا اگرچہ عمر طبعی کو پہنچ چکے تھے، لیکن صحت کے اعتبار سے وہ ابھی جانے والوں میں نہیں لگتے تھے، سارا کام اپنے ہاتھوں انجام دیتے رہتے تھے، مضامین بھی قلم بند فرماتے تھے، لیکن وقتِ موعود کے بارے میں کون جانتا ہے؟ وہ اچانک ہی اس دنیا کو خیر باد کہہ کر راہیٔ ملکِ عدم ہوگئے، مولانا کے اکلوتے صاحبزادے جناب کاتب محمد سفیان صاحب نے ایک شاعر کے قول سے ابتدا کی ہے، جس میں لکھا ہے:

بقا چاہو! بزرگوں کے کرو فیضان کو زندہ
حیاتِ رفتگاں ذی عزت و ذی شان کو زندہ
وہی قومیں جہاں میں زندۂ جاوید رہتی ہیں
کیا کرتی ہیں جو اسلاف کے احسان کو زندہ

میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ ابّا حضور اتنی جلدی مجھے داغِ مفارقت دے جائیں گے، اور میں آپ کی ان تمام شفقتوں اور مہربانیوں

سے جو شب و روز مجھ پر ہوا کرتی تھیں محروم ہو جاؤں گا، اور ذہنی طور پر بالکل یتیم بن جاؤں گا، لیکن مرضیٔ خدا کے آگے کس کا زور چلا ہے؟ ابا حضور کی اس اچانک رحلت سے دل پارہ پارہ ہو گیا، ان کی یاد برابر آتی رہتی ہے، ابا حضور نے کچھ اشعار اپنے والدین کی رحلت پر کہے تھے، وہی اشعار میں بھی ان کے لئے ان ہی کی زبانی پیش کر رہا ہوں:

اے خدا مرنے والے کی کر مغفرت
اور شفاعت کریں سرورِ دو جہاں
دل سے میری دعا ہے خدا سے کہ دے
باغِ فردوس میں تجھ کو اعلیٰ مکاں

❁❁❁

تیری فرقت میں اے والد محترم!
رنج و حزن و الم ہے فزوں دم بدم
تو مجاور شب و روز مسجد کا تھا
چومتی تھی زمیں تیرا نقشِ قدم
تو رہا رونقِ خانداں چل بسا
شرحِ اوصاف سے ہے یہ عاجز قلم
سایۂ فضل و رحمت ہو رحمان کا
قبر میں بارشِ عیش ہو دم بدم

○○○

تعزیتی منظوم تخلیقات

مہربان دوست: مولانا محمد عثمان معروفیؒ کی یاد میں

از: مولانا محمد زبیر اعظمی ساکن ایولہ، ضلع ناسک

ایک چہکتا گاتا بلبل بالآخر خاموش ہوا
علم و ادب کا مہر منور زیر زمیں روپوش ہوا

سنت و قرآں کا شیدائی اہل قلم وہ کہاں گیا؟
عالم باقی کی جانب وہ چھوڑ کے فانی جہاں گیا؟
سب ذی روح جہاں جائیں گے وہ بھی آخر وہاں گیا

نعمت جب ہاتھوں سے گئی تب ہم کو پورا ہوش ہوا
علم و ادب کا مہر منور زیر زمیں روپوش ہوا

تخریج تاریخ کی خاطر لفظ کہاں سے لائے کون؟
یہ انمول سلیقہ اہل ہند کو اب سکھلائے کون؟
محنت کی اس گھاٹی میں تکلیف اٹھا کر جائے کون؟

دور نظر سے ایک سوارِ مرکبِ عقل و ہوش ہوا
علم و ادب کا مہر منور زیر زمیں روپوش ہوا

ابر بہاری چلا گیا تو رحمت ہم کو آئی یاد
چلا گیا جو تصنیفوں سے کرتا اہل دل کو شاد

جیتے جی اب رونا ہے بس آہ و نالہ اور فریاد
کفن پہن کر ہم سے رخصت علم کا جامہ پوش ہوا
علم و ادب کا مہر منور زیر زمیں روپوش ہوا

اسلامی تاریخ کی باتیں اس کے قلم نے لکھیں خوب
ذکر مشاہیر عالم تھا اس کے لئے شغلِ محبوب
اہل علم کے اٹھ جانے پر بن جاتا تھا وہ یعقوب

اب تعزیتوں کا وہ راقم خود ہی سوار دوش ہوا
علم و ادب کا مہر منور زیر زمیں روپوش ہوا

ایک معلم ایک مصنف ایک صحافی ایک ادیب
آہ زبیرؔ اس خاکی پیکر میں تھے کتنے وصف عجیب
بخشش اس کو دیدے یارب! کرلے اس کو اپنے قریب

اس کا ہر اک چاہنے والا محرومِ آغوش ہوا
علم و ادب کا مہر منور زیر زمیں روپوش ہوا

○○○

ایسا محقق

کوثرؔ معروفی

دل کو مصروفِ ماتم کیا جائے گا
اضطراب اس طرح کم کیا جائے گا

زخم یہ مندمل ہونے والا نہیں
لاکھ مرہم فراہم کیا جائے گا
ایسا ہوگا محقق نہ دنیا میں جب
کیا کیا واللہ اعلَم کیا جائے گا
جب ازل ہی سے قانونِ قدرت ہے یہ
بہر تسلیم سر خم کیا جائے گا

[ماخوذ از: سہ ماہی ''دعوتِ انسانیت'' کُرن، احمد نگر، ستمبر ۲۰۰۱ء]

○○○

ماہر علم وفن

از: جناب محمد سفیان بن مولانا محمد عثمان صاحب معروفی

عالم دیں، رہ روِ دیں، قاریٔ قرآن کو
بھول پاؤگے نہ ہرگز حضرتِ عثمان کو
علم کے انمول موتی بانٹتے پھرتے رہے
عالم اسلام نازاں ہے ترے احسان پر

قطعہ

آئینہ بتائے گا آپ کی فراست کو
آپ کی فصاحت کو، آپ کی بلاغت کو
علم وفن کے ماہر بھی آپ نے کئے پیدا
اہل علم نے مانا آپ کی لیاقت کو

باپ کی نصیحت بیٹے کو

از: جناب محمد سفیان معروفی

ابا حضور جب تک بقید حیات تھے، میری اصلاح و تربیت کے لئے ہمہ دم کوشاں رہتے، اور اپنی قیمتی نصیحتوں سے نوازتے رہتے تھے، ذیل میں کچھ نصیحتیں اس امید کے ساتھ پیش کر رہا ہوں، کہ نفع بخش ثابت ہوں۔

فرض و سنت کے ادا کرنے میں کوتاہی نہ کر
روزِ محشر اپنے ہاتھوں، اپنی رسوائی نہ کر
دین کی خدمت کو کرلو فرض اپنی جان پر
دین داری سے ہی ہوگا خاتمہ ایمان پر
گر بنانا چاہتے ہو اپنی عقبیٰ کو حَسِیں
دامنِ حضرت محمد ہاتھ سے چھوڑو نہیں
کر غریبوں اور محتاجوں کا بھی دل سے خیال
بعد مرنے کے نہ پھر کچھ غم رہے نہ کچھ ملال
اچھے لوگوں سے کرو تم دوستی کچھ غم نہیں
جو برے ہیں ان پہ کوئی رحم کا مرہم نہیں
یہ زمیں اللہ کی ہے اس پہ چل اکرام سے
مت اکڑ کر چل یہاں رہ باخبر انجام سے
اپنے ہمسایوں پہ بھی رکھنا نظر صبح و مسا
ان کے حق کو حق سمجھ کر کرتے رہنا تم ادا

بدزبانی بدکلامی ہے بری شے جان لے
محسن انسانیت کے قول کو پہچان لے
شیر جیسی زندگی کرنا بسر اے بے خبر!
خود بھی کھانا دوسروں کو بھی کھلانا پیٹ بھر
دامنِ حضرت محمد ہاتھ سے چھوٹے نہیں
تب کریں گے شافعِ محشر شفاعت بالیقیں
سالِ رحلت لکھ دے سفیان اپنے ابا جان کی
پاک طینت نیک نیت بندۂ رحمان کی

۱۴۲۲ھ

○○○

کامران و شادمان مولانا محمد عثمان معروفی

۲۰۰۱ء

حق آگاہ مولانا محمد عثمان معروفی

۱۴۲۲ھ

عادل زمانہ علامہ عصر مولانا محمد عثمان معروفی

۲۰۰۱ء

○○○

بطلِ جلیل

از: مولانا مطیع اللہ مسعود قاسمی

میدان علم و فضل کا مردِ جلیل تھا
کردارِ مصطفیٰ کا خطیب و وکیل تھا
تاریخ گوئی جس کا تھا محبوب مشغلہ
اس فن میں اس کا ثانی نہ کوئی مثیل تھا
اردو کا فارسی کا اور عربی زبان کا
یعنی علوم و فن کا وہ بحرِ طویل تھا
کیوں ذات متصف نہ ہو فضل و کمال سے
حق گو تھا حق نظر تھا وہ حق کی دلیل تھا
کیوں فیض یاب ہوں نہ غلامانِ مصطفیٰ
طلبہ کے واسطے وہ مکمل سبیل تھا
کتنوں کو دی قلم سے پسِ مرگ زندگی
وہ صاحبِ قلم تھا، قلم کا زمیل تھا
شاعر تھا خوش نویس تھا مردم شناس تھا
گویا وہ اک عطیۂ رب جلیل تھا
اک آبروئے پورۂ معروف چل بسا
عثمان در حقیقت اک بطلِ جلیل تھا
ترویج علم دیں میں لگایا جو وقت خاص
اے قاسمی وہ حصۂ عمرِ طویل تھا

○○○

مختصر سفرنامۂ پانی پت

از: مولانا محمد عثمان صاحب معروفیؒ
مرتب مجلّہ ماہنامہ مظاہر علوم، سہارن پور

(حضرت مولانا محمد عثمان صاحب معروفیؒ نے یوں تو اسفار بہت کئے، مگر انہوں نے اپنا سفرنامہ نہیں لکھا، یا اگر اپنی یادداشت کے لئے لکھا ہو تو وہ ابھی بسیار کوشش کے باوجود ہمارے ہاتھ نہیں لگا، میرا خیال ہے کہ انہوں نے اپنے اسفار کے بارے میں ضرور لکھا ہوگا، اور لکھ کر اسے محفوظ کرنے کی کوشش کی ہوگی، کیوں کہ وہ ایک مؤرخ تھے اور رونما ہونے والے ہر چھوٹے بڑے واقعات کو دن، ماہ اور سن کے تعیین کے ساتھ اسے قیدِ تحریر میں لانے کا التزام کرتے تھے۔

ویسے بھی سفرنامے زیادہ تر انہی لوگوں کے شائع ہوتے ہیں جو کسی ماہنامے کے مدیر یا اس سے وابستہ رہتے ہیں، تاکہ رسالہ میں بآسانی شائع ہوجائے، مولانا جب مظاہر علوم مجلّہ سے بطور مدیر وابستہ ہوئے تو انہوں نے ایک وفد کے ساتھ پانی پت کا سفر کیا، مولانا کو بھی ساتھ لے جانے کی ایک وجہ ممکن ہے یہ رہی ہو کہ پانی پت اور وہاں کے ایک مقبوضہ مدرسہ اور مسجد کی تاریخ سامنے آجائے، جو بڑی مشکل سے واگزار کرائی گئی تھی، اور پھر اس کی ''مجلّہ مظاہر علوم'' میں اشاعت ہوجائے۔

حضرت مولانا کی ہر تحریر ''دریا بکوزہ'' کے مثل ہوتی ہے، جو حشو و زوائد سے پاک اور مغز ہی مغز لئے ہوئے ہوتی ہے، ساتھ ہی تمام واقعات تاریخ کے حوالے سے مدلل اور اپنے آپ میں مکمل ہوتے ہیں، حضرت مولانا کی وہ تحریر بطور نمونہ پیش ہے۔)

انصار احمد معروفی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مدرسہ گنبدان اور اس کی مسجد کے ماہانہ پروگرام میں شرکت کے لئے سہارن پور سے ایک وفد پنجشنبہ، ۲۷ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ، ۲۳ جولائی ۱۹۹۸ء کو ایک ماروتی اور ایک بڑی کار سے پندرہ آدمیوں پر مشتمل پانی پت گیا۔

وفد کے سربراہ حضرت الحاج مولانا محمد طلحہ صاحب مدظلہٗ تھے، جس میں مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارن پور، راقم الحروف محمد عثمان معروفی، مولانا محمد خبیب صاحب مفتی مظاہر علوم (وقف)، مولانا مفتی عبد الرزاق صاحب بھوپالی، ترجمہ والی مسجد بھوپال، بمبئی کے دو معزز مہمان اور بعض دیگر حضرات تھے، راستہ کے مشہور اور قابلِ ذکر مقامات یہ تھے: رام پور منہاران، پھر نانوتہ، پھر جلال آباد، یہاں روڈ پر واقع مسجد ''صاحب حضوری'' میں نمازِ عصر ادا کی گئی، وہاں سے تھانہ بھون، پھر شاملی، یہاں لب سڑک احاطہ مقبرہ اور عیدگاہ ہے، معلوم ہوا کہ یہیں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی، متوفی: ۱۳۱۷ھ کی امارت میں شاملی کی مشہور جنگ انگریزوں سے ۱۸۵۷ء میں لڑی گئی، شاملی سے کیرانہ ہوتے ہوئے مغرب سے نصف گھنٹہ پہلے پانی پت پہنچ گئے، سڑک سے متصل شہر سے پہلے ایک بہت بڑا میدان ہے، ایک بزرگ نے بتایا کہ پانی پت کی مشہور لڑائی یہیں ہوئی۔

پانی پت کی لڑائیاں: پانی پت کی پہلی مشہور جنگ شہنشاہ بابر اور ابراہیم لودھی کے درمیان ہوئی جس میں بروز جمعہ ۸ رجب ۹۳۲ھ، ۲۰ اپریل ۱۵۲۶ء میں ابراہیم لودھی کو شکست اور بابر کو فتح حاصل ہوئی۔ پانی پت کی دوسری مشہور لڑائی شہنشاہ اکبر اور ہیمون کے درمیان ۹۶۳ھ، ۱۵۵۶ء میں ہوئی، اور تیسری مشہور جنگ پانی پت احمد شاہ ابدالی اور مرہٹوں کے درمیان ۱۱۷۴ھ، ۱۷۶۱ء میں ہوئی۔

پانی پت کی علمی و روحانی مرکزیت: پانی پت پنجاب کا ایک مشہور شہر تھا، اب ہریانہ میں آ گیا ہے، یہاں ۳۶۵/ مساجد، بہت سے مدارس اور خانقاہیں آباد تھیں، بڑے بڑے علماء، صلحاء، اولیاء اور مشائخ کا یہ مسکن و گہوارہ رہا ہے، یہاں مسلمانوں کی بہت بڑی آبادی تھی، آج بھی یہاں بہت سے اکابر کے مزارات، ایامِ ماضی کا فسانہ دہرا رہے ہیں، یہاں کے مشہور مزارات میں شیخ بوعلی شاہ قلندرؒ، حضرت شمس الدین ترک پانی پتیؒ، متوفی: ۷۱۶ھ، ۱۳۱۶ء، حضرت جلال الدین پانی پتیؒ متوفی: ۷۶۵ھ، ۱۳۶۴ء، زوجہ مرزا مظہر جانِ جاناںؒ متوفی: ۱۱۹۵ھ، ۱۷۸۰ء، قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ متوفی: ۱۲۲۵ھ، ۱۸۱۰ء، خواجہ الطاف حسین حالیؔ متوفی: ۱۳۳۳ھ، ۱۹۱۵ء، وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں، حضرت مولانا تھانویؒ متوفی: ۱۳۶۲ھ، ۱۹۴۳ء، کے خلفا میں مولانا لقاء اللہ صاحب پانی پت ہی کے تھے، رأس المحدثین حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب محدث بھی پانی پت کے تھے۔

پانی پت کا مدرسہ گنبدان: پانی پت میں مدرسہ گنبدان ایک عظیم المرتبہ مدرسہ ہے، جس میں بڑے بڑے جلیل القدر علما نے کسبِ فیض کیا تھا، مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ متوفی: ۱۳۸۲ھ، ۱۹۶۲ء نے یہاں تعلیم حاصل کی، حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ متوفی: ۱۴۱۸ھ، ۱۹۹۷ء نے قراءتِ سبعہ اور شرح جامی تک یہیں پڑھا، آپ کے دادا قاری عبدالرحمٰن صاحب نے بھی یہیں تحصیل علم کیا، امام القرّاء مُقری و قاری فتح محمد صاحب اعمیٰ کا بھی علمی فیضان یہاں عرصہ تک جاری رہا۔

اس مدرسہ میں بہت بلند اور بڑے دو عظیم الہیکل گنبد ہیں، اسی وجہ سے مدرسہ گنبدان کے نام سے مشہور ہے، اس مدرسہ سے متصل ایک مسجد ہے، جس کے اندرونی حصہ اور فرش پر کم و بیش دو سو آدمی بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں، تقسیمِ ہند کے خونی ہنگامہ میں پانی پت سے مسلمانوں کا انخلا ہو گیا تو مدارس و مساجد پر شرنارتھیوں کا

قبضہ ہوگیا، مدرسہ گنبدان کے کمروں میں چند خاندان قابض ہوگئے، اور مسجد خنزیروں کا مسکن بنادی گئی۔

۱۹۴۷ء کا ہنگامہ: ۱۴/اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان بنائے جانے کا اعلان ہوا، اور ۱۵/ اگست کو ہندوستان آزاد ہوا، پاکستان سے بہت کثرت سے لٹے پٹے غیر مسلم شرنارتھی ہندوستان آئے، یہاں سے بہت سے مسلمان پاکستان چلے گئے، یہ تبادلہ آبادی اپنے جلو میں جانی و مالی بہت بڑی تباہی اپنے ساتھ لایا، آگ اور خون کی ہولی کا ایک سیلاب امنڈ پڑا، حیوانیت اور درندگی نے انسانیت کا جامہ تار تار کرڈالا، پنجاب مسلمانوں سے تقریباً خالی ہوگیا، دلی تک مسلمانوں کے کُشتے کے پُشتے لگ گئے، سہارن پور زد میں تھا، اور فرقہ پرستی کا اژدہا منھ پھاڑے اقلیت کو نگل رہا تھا، ایسا لگ رہا تھا کہ پورا ہندوستان مسلمانوں سے خالی ہوجائے گا۔

اسیر صاحب ادروی ''احیاء اسلام کی عظیم تحریک'' ص:۲۱ پر لکھتے ہیں:

''چاروں طرف سیلاب کا بھوت منھ کھولے پوری آبادی نگل جانے کو بیتاب ہورہا تھا ایسا دل دہلانے والا منظر اگست ۱۹۴۷ء کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں کا تھا، حالات کا شکنجہ کستا جارہا تھا، حوادث کا فولادی ہاتھ مسلمانوں کی گردنوں کو پوری قوت سے دبوچ رہا تھا، جیسے اس خون آشام عفریت کی پیاس اس وقت نہیں بجھ سکتی جب تک مسلمانوں کی رگوں کے لہو کی ایک ایک بوند نہیں چوس لے گا۔''

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہٗ لکھتے ہیں:

''کشت وخون، قتل وغارت گری لوٹ مار کا سلسلہ بنگال و بہار میں تو کئی ماہ پہلے ہی سے شروع ہوچکا تھا، اور روز افزوں تھا، تقسیم کے بعد ہند و پاک میں وہ خون کی ندیاں بہیں کہ ''الامان والحفیظ'' قرآن وحدیث میں قیامت اور حشر کا

جو منظر پڑھا تھا وہ سب مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے، اسپیشل ٹرینوں پر خوب حملے اور لوٹ مار ہوتی، ۲۲ ستمبر کی ٹرین آٹھ دن میں لاہور پہنچی، اس پر خوب قتل وغارت ہوا۔''

اس مختصر اقتباس سے ۱۹۴۷ء کے خونی ہنگامے کا اندازہ لگانا آسان ہو جائے گا، یہ خونی سیلاب اپنی تمام تر ہولناکیوں کے ساتھ کیسے رکا؟

سیلاب پر علمائے حق کا بند: مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہارویؒ متوفی: ۱۳۸۲ھ، ۱۹۶۲ء نے سر ہتھیلی پر رکھ کر دیوانہ اور مردانہ وار شب و روز دوڑ دوڑ کر مسلمانوں کو سہارا دیا، اور ان کے اُکھڑے ہوئے قدموں کو جمایا، ان کی اس ریاضت پر حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے کہہ دیا کہ ''میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی ۱۹۴۷ء کی ایک دن کی عبادت سے اپنی پوری زندگی کی عبادت بدلنے کے لئے تیار ہوں''۔ مولانا ابوالکلام آزاد متوفی: ۱۳۷۷ھ، ۱۹۵۸ء نے مسلمانوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی جامع مسجد دہلی میں وہ تاریخی تقریر کی جس نے فضا بدل دی، اور مسلمانوں کے بندھے ہوئے بستر کھل گئے، ۱۱ محرم ۱۳۶۷ھ، ۲۵ نومبر ۱۹۴۷ء کو حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی متوفی: ۱۳۷۷ھ، ۱۹۵۷ء حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ متوفی: ۱۳۸۲ء ۱۹۶۲ء اور شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا مہاجر مدنیؒ متوفی ۱۴۰۲ھ، ۱۹۸۲ء رحمہم اللہ جمع ہوئے، اور اپنی مخصوص میٹنگ میں فیصلہ کیا کہ ہم کو جم کر یہیں رہنا ہے اور سہمے ہوئے مجبور و مظلوم مسلمانوں کو سہارا دینا ہے، اکابر ثلٰثہ کا یہ فیصلہ اتنا مؤثر ثابت ہوا کہ بھاگنے والوں کے پاؤں رک گئے اور سیدھے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

اس کے بعد حضرت شیخ الاسلام نے جان کی بازی لگا کر پورے ملک کا دورہ کر کے مسلمانوں کے قدم جمائے۔ آپ بیتی، ج:۱، ص: ۵۵۷ میں ہے کہ ''حضرت مدنی قدس سرہٗ نے مسلمانوں کو جمانے کے لئے سارے ہندوستان کا دورہ اسی خطرے

کے زمانے میں فرمایا، ان کو مصائب پر اجر سنایا، بڑے بڑے لمبے لمبے دورے کئے، سہارن پور کے فساد وانخلا کو روکنے کے لئے حضرت مدنیؒ نے وزیر اعلیٰ یوپی ''بلبھ پنت'' کو سخت لہجہ میں فون کیا، جس سے ایوانِ اقتدار میں کھلبلی مچ گئی، پنت جی کو سہارن پور آنا پڑا، حضرت مدنی نے وزیر اعلیٰ سے کہا کہ سہارن پور ہمارا آخری قلعہ ہے، ہم اس پر جنگ کریں گے، پنڈت پنت نے یہاں کے ڈی، ایم کو بدل دیا، فساد رک گیا، ساٹھ ہزار مسلمان پناہ گزیں کیمپ سے اپنے گھر واپس آ گئے، جو پاکستان جانے کے لئے بالکل تیار بیٹھے تھے۔

مدرسہ گنبدان کی واگذاری: پانی پت جب ۱۹۴۷ء کے خونی ہنگامے میں مسلمانوں سے خالی ہوگیا، تو مسلمانوں کی ساری جائیداد اور مدارس و مساجد پر غیر مسلم قابض ہوگئے، الحمدللہ کہ ایک مرد حق آگاہ کو اللہ نے توفیق بخشی جو مظاہر علوم کے معزز رکن شوریٰ اور سرپرست مدرسہ حضرت مولانا الحاج محمد طلحہ صاحب مدظلہٗ کے خسر ہیں، جن کو حضرت مفتی مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلوی کے نام نامی سے پکارا جاتا ہے۔

انہوں نے محرم ۱۴۱۷ھ، مئی ۱۹۹۶ء میں مدرسہ اور مسجد پر قابض تمام حضرات کو ایک معقول ترین رقم کا عطیہ بطور قیمت دے کر بازیاب کرایا، مدرسہ کی صفائی اور مسجد کی تطہیر کے بعد جس میں پچاس برس تک خنزیریں رہتی رہیں، ۲۴/ ربیع الآخر ۱۴۱۸ھ، ۲۹/ اگست ۱۹۹۷ء کو پچاس برس کے بعد پہلی نماز جمعہ ادا کی گئی، اس مبارک تاریخی تقریب میں مظاہر علوم کے سرپرست حضرت الحاج مولانا محمد طلحہ صاحب اور استاذِ تخصص فی الحدیث مولانا عبداللہ قاسمی معروفی نے خاص طور سے شرکت کی، نماز جمعہ مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کے مہتمم مولانا محمد حشیم صاحب مدظلہٗ نے پڑھائی، اب مسجد میں باقاعدہ نماز پنج گانہ ادا کی جاتی ہے۔

مدرسہ گنبدان میں قرآن کریم اور درجات عربیہ کی تعلیم ہورہی ہے، اچھی

خاصی تعداد میں طلبہ ہیں جو مہمان نوازی خوب کرتے ہیں، مدرسہ میں مطبخ بھی جاری ہے، بڑی چہل پہل اور خوب رونق رہتی ہے، ۱۴۱۸ھ سے ہی یہاں مسجد میں ہر قمری مہینے کے آخری پنجشنبہ کو ایک پروگرام ہوتا ہے جس میں قرب و جوار اور اطراف کے لوگ کثرت سے شرکت کرتے ہیں، پہلے سو دو سو لوگ ہوا کرتے تھے اب دو ہزار آدمیوں کا مجمع ہوتا ہے، مغرب سے عشا تک درود شریف کا وِرد پھر ایک طویل اجتماعی دعا، بعد عشا طعام، پھر بعد نماز فجر مولانا افتخار الحسن صاحب کا مختصر بیان، اس کے بعد ایک گھنٹہ تک ذکر بالجہر، پھر ناشتہ کے بعد بیرونی حضرات کی واپسی۔

اس اجتماع کے اثر سے پانی پت اور اطراف کے مسلمانوں میں دینی ماحول پیدا ہو رہا ہے، لوگ اپنی پیاس بجھانے کے لئے اجتماع کی تاریخوں کا شدت سے انتظار کرتے رہتے ہیں، منتظمین میں حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کے بھتیجے مولانا احترام الحسن صاحب بھی تھے، عجیب اتفاق کہ مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ مہاجر مکی متوفی: ۱۳۰۸ھ جنھوں نے مکہ مکرمہ میں مدرسہ صولتیہ قائم کیا، ان کی اولاد و احفاد میں سے محترم مولانا محمد حلیم صاحب بھی اس اجتماع میں موجود تھے، جو اس وقت مدرسہ صولتیہ کے نائب ناظم ہیں۔

وفد کی واپسی: ۲۸ر ربیع الاول کو جمعہ کو ناشتہ کے بعد مولانا افتخار الحسن صاحب مدظلہٗ سے مصافحہ کر کے ہم لوگ ۸ر بجے کے قریب اپنی گاڑیوں سے واپس ہوئے، آگے ماروتی اور پیچھے بڑی گاڑی تھی، پانی پت شہر سے نکل کر جمنا کے پل پر پہنچے کہ اچانک ماروتی کا ایک پُرزہ ٹوٹ گیا، اللہ کے فضل سے سب بال بال بچ گئے، کوئی حادثہ نہ ہوا، اس کا پرزہ شہر پانی پت سے لایا گیا، دو گھنٹے پر گاڑی ٹھیک ہوئی، تو وہ سیدھے سہارنپور جمعہ سے پہلے پہنچ گئی، چوں کہ اس کے بننے میں دیر تھی اس لئے بڑی گاڑی سے سب لوگ ۱۰ر بجے کاندھلہ پہنچے، روڈ پر تھوڑی دیر گاڑی روک کر حضرت مولانا امیر احمد

صاحب کاندھلوی متوفی: ۱۳۸۴ھ سابق صدر المدرسین مظاہر علوم سہارن پور کے مزار کے سامنے ان کے لئے دعائے مغفرت کی گئی، حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کے دولت خانہ کی بالائی منزل پر ٹھہرے، ان سے دوبارہ ملاقات ہوئی، ان کے صاحبزادے مولانا نور الحسن راشد صاحب ''مدیر احوال وکوائف'' سے مل کر بہت خوشی ہوئی، ان کا کتب خانہ بھی دیکھا، حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب قدس سرہٗ کا رہائشی مکان بھی دیکھا، کاندھلہ ہی کے استاذی حضرت مولانا محمد ادریس صاحب متوفی: ۱۳۹۴ھ، ۱۹۷۴ء مؤلف ''التعلیق الصبیح'' بھی تھے، کاندھلہ ہی میں نماز جمعہ ادا کی گئی، پھر پُر تکلف کھانا کھا کر ۱۵/منٹ قیلولہ کیا، تین بجے واپسی ہوئی، کاندھلہ سے شاملی، تھانہ بھون، جلال آباد، نانوتہ، رام پور منہاران ہوتے ہوئے ۶/بجے سہارن پور آ کر نماز عصر ادا کی گئی، نانوتہ میں بھی روڈ پر گاڑی روک کر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ متوفی: ۱۳۰۲ھ، ۱۸۸۴ء اول صدر المدرسین دار العلوم دیوبند کے مزار کے پاس ایصالِ ثواب کیا گیا۔ فقط۔

[ماہنامہ ''مظاہر علوم''، سہارن پور، اکتوبر ۱۹۹۸ء]

○○○

مولاناؒ کی تمام تصنیفات وتالیفات
مطبوعہ وغیر مطبوعہ کا تعارف

(۱) حیاتِ طاہرؒ (۲) کمیونزم اور مذہب (۳) درسِ مغفرت (۴) ایک عالمی تاریخ (۵) مشاہیر پورہ معروف (۶) معجزات وکرامات (۷) تاریخ وقائعِ لاثانی، ترجمہ ''دروس التاریخ الاسلامی'' (۸) تذکرۃ الفنون (۹) حالات المصنفین (۱۰) مختصر تاریخ نبوی (۱۱) گلدستۂ فاخرہ منظوم (۱۲) گلدستۂ فاخرہ کلاں (۱۳) مشاہیر کوپاگنج (۱۴) شہید بابری مسجد (۱۵) محاسن التواریخ (۱۶) ارکانِ تبلیغ (۱۷) پُرتاثیر نماز (۱۸) سیرت الرسول (۱۹) مفتاح التقاویم (۲۰) تقاریر مولانا آزاد (۲۱) ترجمہ مقاماتِ حریری وحل لغات عربیہ (۲۲) مختصر سیرت الرسول ﷺ۔

حیاتِ طاہرؒ:

صفحات: ۲۵۶، اشاعت اول ۱۹۶۷ء، ۱۳۸۷ھ، اشاعت دوم بہ تحقیق و ترجمۂ فارسی وعربی اشعار: مولانا محمد شاکر عمیر معروفی قاسمی ۲۰۱۴ء، ۱۴۳۵ھ، ناشر: مدرسہ معروفیہ، پورہ معروف، ضلع مئو، یوپی۔

موضوع: سوانح حیات حضرت مولانا قاضی محمد طاہر صاحبؒ معروفی بن شیخ پیر محمد بن شیخ ابن شیخ مختار احمد بن شیخ پھول محمد۔

مولانا کی تاریخ ولادت ۱۲۲۴ھ مطابق ۱۸۰۸ء ہے، تاریخ وفات ۱۲۹۶ھ، ۱۸۷۹ء، اور مدتِ عمر ۷۲/سال ہے، مقامِ پیدائش: پورہ معروف، محلّہ بلوہ، پوسٹ: کُرتھی جعفر پور، ضلع مئو (سابق اعظم گڈھ) یوپی۔

تعلیم: حفظِ قرآن جونپور میں: مولانا کرامت علی صاحب جونپوریؒ (ولادت: ۱۲۱۵ھ،

وفات ۱۲۹۰ھ) سے حاصل کیا، وہیں جونپور میں عربی و فارسی کی تعلیم مولانا سخاوت علی صاحب (ولادت : ۱۲۲۵ھ، وفات: ۱۲۷۴ھ) سے پائی، فراغت: ۱۲۴۹ھ، وہیں آپ نے فن کتابت مولانا کرامت صاحب سے سیکھا، طباعت کا دور نہیں تھا، اس لئے روزانہ ایک پارہ قرآن کریم اپنے ہاتھ سے خوشخط لکھ کر لوگوں میں مفت تقسیم فرماتے، دوسری کتابوں کی کتابت اس کے علاوہ ہے، زمانے کے تقاضے کے اعتبار سے فن سپہ گری اور بنوٹ بھی سیکھا، ساتھ ہی فن طب بھی اپنے استاذ مولانا سخاوت صاحب سے سیکھ کر ایک ماہر طبیب بھی بن گئے، اور اپنے وطن آکر طب یونانی کی ایسی مستحکم بنیاد ڈالی کہ ایک صدی کے بعد تک اس میں تزلزل نہ آسکا اور مسلسل پانچویں پشت اس فن میں اپنے کارنامے انجام دے رہی ہے، آپ نے اپنے استاذ مولانا کرامت علی صاحب سے بیعت ہوکر خلافت حاصل کی، آپ کی سند خلافت بھی کتاب میں موجود ہے، اس کے علاوہ آپ جب پہلی بار حج کے لئے ۱۲۵۸ھ مکہ مکرمہ گئے، وہاں حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی مہاجر مکیؒ کے درس حدیث کا جگہ جگہ چرچا تھا، اس لئے محدث دہلوی کے علمی و روحانی فیوض سے استفادہ کے لئے مستقل طور سے مکہ مکرمہ میں ٹھہرنے کا فیصلہ کرلیا، وہاں سے آپ نے کئی نایاب کتابیں نقل کیں، یہ علمی مشغلہ دوسال تک جاری رہا، اسی زمانے میں آپ نے دوسرا حج کیا، اور ۱۲۶۰ھ میں حج کے بعد بامراد حدیث کی سند لے کر واپس جب وطن تشریف لائے، تو پورہ معروف میں آپ کا زبردست استقبال ہوا۔

پھر آپ مستقل طور پر جمعہ وعیدین کے امام منتخب ہوئے، آپ نے بدعات وخرافات کا خاتمہ کیا، اور تعلیم قرآن کے لئے مکتب و مدرسہ قائم کیا، قرآن کریم کی کتابت کی، اور خدمت قرآن کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا، ایک اندازے کے مطابق آپ نے تقریباً چار سو کلام پاک کے نسخے اپنے ہاتھ سے لکھ کر تقسیم کئے، آج بھی ان

میں سے بہت موجود ہیں، اب بھی آپ کے کتب خانے میں آپ کے ہاتھ کی لکھی خوشخط میں تقریباً ۴۵/ کتابیں موجود ہیں۔

''حیاتِ طاہر'' میں آپ کی تبلیغ، خوش اخلاقی، فیاضی، جلدسازی، مطب، علمائے وقت کا رجوع، فتاوے، استفسارات، عہدۂ قضا، مدرسہ معروفیہ کی بنیاد، اخفائے حالات، حیا، خوراک، شہ زوری و پہلوانی، وغیرہ کا مفصل تذکرہ ہے۔

آپ کی پہلوانی خداداد تھی، بڑے بڑے پہلوانوں کو آپ نے زیر کردیا، دشمن کی سازشوں کو ناکام بنادیا، جو اپنی جگہ محیرالعقول ہیں اور جن کے ان کارناموں کی پورے علاقے میں بازگشت ہے، مثلاً: ''کولہو کا روک لینا، درخت کا اکھاڑ لانا، سانڈ کو مار ڈالنا، ہاتھی کو ہلاک کرڈالنا، ایک پہلوان اور درخت کی شاخ، بانس اکھاڑ کر حملہ آوروں کو بھگانا، درخت کا راستے سے ہٹانا، کولہو کا گھما دینا، اس جیسے عجیب وغریب واقعات کے ذکر کے ساتھ کتاب میں مولانا محمد طاہر صاحبؒ کے سامانِ ورزش ''لیزم، مگدر، پتھر کی سِل، پلنگ، کھڑاؤں، جو اس وقت بھی موجود ہیں، کا بھی ذکر ہے، پھر مرضِ وفات، تدفین، مزار اور حضرت کی وفات پر اس وقت کے اکابر علما کے مراثی و تاریخ قطعات نیز ان کی اولاد و احفاد اور ان کی کتابت کے نمونے بھی زینتِ کتاب ہیں۔

کتاب کے آغاز میں مصنفِ کتاب کے تاریخی مادے و قطعات وغیرہ دو صفحے پر مشتمل ہیں، اور کتاب کا انتساب محدث جلیل ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب الاعظمی متوفی: ۱۹۹۲ء کی طرف کیا گیا ہے، اور پیش لفظ بھی محدث اعظمی کا ہے، مقدمہ مؤرخِ اسلام اور مشہور مصنف حضرت مولانا قاضی اطہر مبارک پوریؒ کا ہے، کتاب کے ابتدائی صفحوں میں پورہ معروف کا تاریخی و علمی تعارف بھی ہے جو دیباچے کی شکل میں مؤلف نے تحریر کیا ہے۔

اس کے علاوہ مصنف نے مولانا طاہر صاحب کے عہد کے سیاسی، سماجی، علمی

اور تاریخی منظر نامے کے مفصل تذکرے کے ساتھ مولانا کے اساتذہ یا وہ علما جن کا کسی بھی صورت سے فیض پہنچا ہے، ان کی خدمات کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے، نیز مصنف نے صاحب سوانح کی شان و منقبت میں ایک فارسی نظم بھی کہی ہے، جس سے ان کی فارسی دانی اور اشعار کی صورت میں اسے ڈھالنے کی قدرت پر یقین ہو جاتا ہے، مولانا نے اس کے آخری دو شعر میں تاریخی مادہ برآمد بھی کر دیا ہے، اس طرح ان کی تاریخ پیدائش اور وفات کا مکمل نقشہ سامنے آجاتا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ اگر مصنف نے مولانا طاہر صاحبؒ کا تذکرہ مختلف مآخذ سے تلاش کر کے شائع نہ کیا ہوتا تو تاریخ کا ایک باب ضائع ہو جاتا، جس کے لئے مصنف مرحوم ہم سب کی طرف سے شکریہ اور مبارک باد کے مستحق ہیں۔ **فجزاہ اللہ عنا خیر الجزاء۔**

(۲) مشاہیر پورہ معروف:

صفحات: ۱۰۴۔ سنہ اشاعت: ۱۹۷۶ء

کتاب کا پورا تاریخی نام ''نیک خصائل مشاہیر پورہ معروف'' ہے، اس میں اصلاً پورہ معروف کے مشاہیر حضرات کے علمی کاموں اور خدمتوں کا ذکر ہے، لیکن جنہوں نے اس قصبہ کو اپنا وطن بنالیا، نیز وہ حضرات جنہوں نے پورۂ معروف کے کسی مدرسے میں طویل زمانے تک تدریسی خدمت انجام دی، ان کا بھی مصنف نے اس کتاب میں تذکرہ کیا ہے، اس طرح کل ۴۴/ مشاہیر کے تذکروں پر مشتمل یہ کتاب بہت معلوماتی اور مفید ہے۔

مولانا محمد شاکر عمیر صاحب معروفی استاذ جامعہ عربیہ احیاء العلوم، مبارک پور نے اس کتاب کے تعارف کے سلسلے میں یوں تحریر کیا ہے:

> یہ کتاب ۱۹۷۶ء میں شائع ہوئی ہے، اس لئے صرف ۱۹۷۶ء تک کے مشہور حضرات کا ذکر خیر صرف اس کتاب میں آسکا ہے، اس کے علاوہ ''مشاہیر

پورہ معروف'' میں زیادہ تر ان حضرات کے احوال کا بیان ہے جو اس دارِ فانی سے رحلت فرما چکے ہیں، مگر کچھ باحیات حضرات کے احوال بھی اس میں شامل کر لئے گئے ہیں جو نہایت قابل ذکر تھے۔

اسلاف سے اخلاف کا تعلق قائم رکھنے کے لئے اگر کوئی علم ہے تو وہ ''علم اسماء الرجال'' اور تاریخ ہے، یہ علم مسلمانوں کے خاص علمی و دینی محاسن و مفاخر میں سے ہے، پورہ معروف قدیم زمانہ سے تہذیب و تمدن کا گہوارہ، ارباب علم و فضل کا معدن، اور اللہ والوں کا مسکن رہا ہے، ضرورت تھی کہ یہاں کے علماو مشائخ کے حالات قلم بند کئے جائیں، تا کہ آئندہ نسلوں کے لئے یادگار اور مشعلِ راہ ثابت ہوں، اس ضرورت کی تکمیل کے لئے حضرت مولانا محمد عثمان صاحب نے یہ کتاب مرتب فرمائی۔

اس کتاب میں تیرہویں صدی ہجری سے پہلے کے لوگوں کے حالات صحیح طور پر دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے یہ سلسلۃ الذہب تیرہویں صدی ہجری سے شروع کیا گیا ہے۔ کتاب کے اخیر میں پورہ معروف کے ۱۹۷۶ء تک کے فضلا و فارغین کی مکمل فہرست محلّہ وار درج کی گئی ہے، جس میں نام، ولدیت، سنہ ولادت، جائے فراغت اور سالِ فراغت کے ذکر کا اہتمام کیا گیا ہے، جن کی مکمل تعداد ۱۱۱/ ہے، جب کہ اس وقت ۲۰۱۶ء میں علمائے کرام کی مجموعی تعداد تقریباً ۵۰۰/ سے زیادہ ہے، حفاظِ کرام بھی اسی کے لگ بھگ ہیں۔

(۳) ایک عالمی تاریخ:

صفحات: ۱۹۲۔ سنہ اشاعت: چوتھا ایڈیشن ۱۹۸۷ء

کتاب کا نام تاریخی ہے، اس عجیب و غریب کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۷۳ء میں شائع ہوا، اور اپنی خصوصیات کی وجہ سے بہت جلد اس کا نسخہ ختم ہو گیا، پھر دوسرا، تیسرا،

چوتھا اور پانچواں ایڈیشن طبع ہوا، میرے سامنے اس کا پانچواں ایڈیشن ہے جو ۱۹۹۷ء کا مطبوعہ ہے، اور ۲۱۰۰ر کی تعداد میں طبع شدہ ہے، مصنف مرحوم نے اپنی تمام کتابیں اپنے چھوٹے موٹے مطبع ''مکتبہ عثمانیہ'' سے شائع کی ہیں، اس کی دستی کتابت ان کے اکلوتے فرزند مولوی محمد سفیان کی ہے، جو اچھے کاتب ہیں اور ممبئی میں رہتے ہیں۔

یوں تو حضرت کی ساری ہی کتابیں نہایت مفید اور معیاری ہوتی ہیں، لیکن مولانا کی یہ سب سے عظیم المرتبت اور وقیع کتاب ہے، جس کی کثیر تعداد میں علمائے کرام اور اخبارات ورسائل نے تعریف وتوصیف کی ہے، کتاب کے ساتویں صفحہ کو مصنف نے اس کتاب کے تاریخی مادوں سے بھر دیا ہے، جس میں ہجری اور عیسوی سن کو مختلف مادوں سے مزین کیا ہے۔

''ایک عالمی تاریخ'' کتاب دریا بکوزہ ہے، کتاب کا نام ہی اس کے موضوع پر پتہ دے رہا ہے، اس کی فہرست سے آپ اس کی وقعت وعظمت کا اندازہ لگا سکتے ہیں، کتاب کے شروع میں محدثِ جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب الاعظمیؒ کے تأثرات ہیں، انہوں نے لکھا ہے:

> ''ایک عالمی تاریخ کی حیثیت ایک کشکول کی ہے، وہ مختلف مفید معلومات کا ایک مجموعہ ہے، جس کو یکجا کرنے میں مؤلف نے خاصی محنت کی ہے، اور میں ان کی محنت کی قدردانی اور حوصلہ افزائی کے طور پر یہ سطریں تحریر کر رہا ہوں۔''

ان کے علاوہ حضرت مولانا محمد میاں صاحب ''مصنف علمائے ہند کا شاندار ماضی''، مؤرخِ اسلام قاضی اطہر صاحب مبارک پوریؒ، مولانا اسعد صاحب مدنی، کے علاوہ مجلّات ورسائل میں ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، مجلّہ المأثر مئو، ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڈھ، ماہنامہ ''تجلی'' دیوبند، ندائے ملت لکھنؤ، تعمیر حیات لکھنؤ، ماہنامہ البدر لکھنؤ، روزنامہ ''قومی مورچہ'' بنارس، وغیرہ کے بیش قیمت تبصرے کتاب میں شامل ہیں، پھر

گزارشِ مؤلف کے تحت کتاب کی وجہِ تالیف، میں مصنف نے تحریر کیا ہے کہ:

''راقم الحروف نے کچھ تاریخی معلومات اپنی بیاض پر تحریر کر رکھی ہیں، بعض احباب نے دیکھ کر افادۂ عام کے لئے طبع کرانے کا شدید اصرار کیا، ان کے اصرار پر ۱۳۹۳ھ، ۱۹۷۳ء میں جدید ترتیب دے کر ''ایک عالمی تاریخ'' نامی کتاب طبع کرائی، جو بحمد اللہ بہت مقبول ہوئی۔'' [ایک عالمی تاریخ، ص:۱۳]

کتاب کا آغاز ''تاریخ'' کی تعریف وغرض وغایت کے بیان سے ہوتا ہے، پھر تیمناً حضور ﷺ سے لے کر حضرت آدم علیہ السلام کا نسب ذکر کیا گیا ہے، انبیا کے درمیان کتنے زمانے کا فاصلہ ہے؟ ان کی عمریں کتنی ہیں؟ انبیا کا شجرہ کیا ہے؟ ان کے اور دیگر اکابر اسلام کے پیشے کیا تھے؟ اس کے علاوہ قبل مسیح کی تاریخیں، بعد مسیح تاریخیں، پھر اسلامی اہم تاریخی واقعات اور ان میں ہجری وعیسوی مطابقت، اسلامی اہم معلومات، اصطلاحات جغرافیہ، نقشہ عالَم، براعظم: رقبہ اور آبادی، بحر اعظم: رقبہ اور گہرائی، دنیا کے ممالک: رقبہ، آبادی، مذہب، ملکی معلومات، ٹائم میں فرق، عالم اسلام، ہندوستان صوبے، آبادی، زبان، تقاویم، واقعہ اصحاب فیل، سیرت النبی، اسلامی ریاست کی ابتدا، زمانۂ خلافت، بنوامیہ، عباسیہ، عثمانیہ، اندلس، افغانستان، ہند، مسلمانوں کی آمد، حکومت خاندان غلامان، خلجی، تغلق، تیمور لنگ، سیدوں کی حکومت، شاہان لودھی، سلطنت مغلیہ، خاندان سوری، حکومت بنگال، جونپور، کشمیر، مالوہ، گجرات، خاندیس، وغیرہ کے ذکر کے ساتھ حکومت برطانیہ، ان کی آمد، اقوام متحدہ، تقسیم ہند و پاک، بنگلہ دیش، فتوحات اسلام، مختلف دور میں اشیا کے بھاؤ، انگلستان و ہند کے قحط، ہندوستان کی خوش حالی کا مفصل تذکرہ کے ساتھ ساتھ تیرہ بار تعمیر کعبہ، حرمین شریفین کے تذکرے، وتوسیعات، بیت المقدس، تاریخ مفسرین عظام، مصنفین کتب حدیث، شراح حدیث، متعلقات حدیث، مجتہدین کرام، فقہائے کرام، متکلمین اسلام،

مجددین، مشائخ چشتیہ، قرّاء، مشہور اشخاص، مع تاریخ پیدائش و وفات حروف تہجی کے حساب سے، شعراء و ادباء کے حالات، نوابان و امراء اودھ، قرآن کریم کے بارے میں مفصل معلومات، تمام زبانوں میں اس کے تراجم، مسالک، نماز و حج کا ذکر، کتب درسیہ، شروحات، مراکز علمی، مدارس اسلامیہ، دارالعلوم دیوبند، تعداد فضلاء، سائنسی معلومات، راکٹ کا زمانہ، ہولناک زلزلے، سات قدیم عجائب، صحابہ و تعداد روایت، ہشت تاریخ اردو و شعراء، اوزان و پیمانے، دائمی اوقاتِ نماز برائے اعظم گڈھ، پانچ ہزار سالہ ہجری و عیسوی جنتری، دائمی ہجری جنتری، عیسوی جنتری از: ۱۹۷۴ء تا: ۲۰۹۹ء، ضابطہ موافقت سنوات شمسی و قمری، چاند کے بڑھنے، گھٹنے کی مقدار، اور طلوعِ آفتاب کی مقدار کے سلسلے میں ایسی عجیب و غریب معلومات کا تذکرہ ہے جس کے مطالعے سے بیش بہا معلومات حاصل ہوں گی، یہ کتاب مستند مآخذ سے مکمل اور مزین مصادر و مراجع کا بھی کام کرے گی۔

(۴) کمیونزم اور مذہب: سنہ اشاعت: ۱۹۶۸ء

مصنف نے اس کتاب کے تعارف اور وجہِ تالیف کے بارے میں اپنے ایک کتابچہ ''تعارفِ تالیفات'' میں لکھا ہے کہ:

''راقم سے کچھ لوگوں نے گذارش کی کہ کمیونزم کے نظریے کے بارے میں صحیح رہنمائی کیجئے، کہ وہ مذہب کے لئے مضر ہے یا غیر مضر؟ تاکہ اس میں شمولیت و عدمِ شمولیت کا فیصلہ کیا جائے، اس بناء پر یہ کتاب مرتب کی گئی، جس سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ کمیونزم تمام مذاہب اور خاص کر مذہب اسلام کا سخت مخالف ہے۔

اس کتاب پر حضرت مولانا عبداللطیف صاحب نعمانی مہتمم و شیخ الحدیث جامعہ مفتاح العلوم مئو، نے تقریظ لکھی ہے، جس میں مولانا رقم طراز ہیں:

''کمیونزم صرف ایک اقتصادی نظریہ نہیں ہے، جس کا مقصد عوام کی خوش

حالی ہو، اور بس! بلکہ وہ مکمل ضابطۂ حیات ہے، جو ہر مذہب کے عقائد و فرائض، اعمال و اخلاقیات سے عموماً اور اسلام و اسلامیات سے خاص طور پر متصادم ہے، قیامت و تقدیر کا انکار ہے، وہ اس بات کو برداشت نہیں کرسکتا کہ کوئی یہ مانتا رہے کہ خدا کا کوئی وجود ہے، اور وہ دنیا کا خالق و مالک ہے۔''

موجودہ حالات میں مولانا محمد عثمان صاحب معروفی کا یہ مختصر کتابچہ کمیونزم کی رونمائی کی ایک مناسب کوشش ہے، اس کو پڑھ کر مسلمانوں کے لئے کمیونزم اور کمیونسٹ پارٹی کو سمجھنا آسان ہوجائے گا۔ [تعارف تالیفات ص:۸]

(۵) درسِ مغفرت: سنہ اشاعت: ۱۹۸۴ء

کتاب کا نام مولانا کی دیگر کتابوں کی طرح تاریخی ہے، مولانا نے اس کتاب کا تعارف اس طرح کرایا ہے:

''یہ کتاب روزمرہ کی ضروریاتِ زندگی سے متعلق اسّی (۸۰) احادیث پر مشتمل دو چہل حدیث ہے، ایک کالم میں اصل حدیث اور اس کے سامنے دوسرے کالم میں اس کا ترجمہ ہے، اور انتخاب ایسی احادیث کا کیا گیا ہے جو دنیوی زندگی کی اصلاح اور اخروی زندگی کی فلاح کی ضامن ہیں، کتاب کے پہلے ایڈیشن کا نام ''حرمِ مغفرت'' اور دوسرے کا ''درسِ مغفرت'' ہے۔

[تعارف تالیفات، از: مولانا محمد عثمان صاحب، معروفیؒ]

(۶) معجزات و کرامات: صفحات: ۶۴، سنہ اشاعت: ۱۹۸۱ء

انتہائی بابرکت کتاب ہے، جس کے شروع میں آنحضور ﷺ کے اسّی (۸۰) محیر العقول معجزے اور آخر میں مختلف اولیاء اللہ کی حیرت انگیز بیس کرامتیں حوالے کے ساتھ ذکر کی گئی ہیں، کتاب اس قدر دلچسپ ہے کہ بہت جلد اس کے دو ایڈیشن ختم ہوگئے، تیسرا چھپ رہا ہے۔

(۷) تاریخ وقائع لاثانی: سنہ اشاعت: ۱۹۸۱ء

مصنف مرحوم نے اس کتاب کے سلسلے میں لکھا ہے:

''دروس التاریخ الاسلامی'' نہایت جامع ومستند کتاب ہے، اور ممالک عرب کے مدارس میں داخل درس ہے، ہندوستان کے بعض مدارس میں بھی رائج ہے، الہ آباد بورڈ (عربی وفارسی امتحان، یوپی مدرسہ تعلیمی بورڈ) کے مولوی کے نصاب میں بھی داخل ہے، مدرسہ جامع العلوم کوپا گنج کے ناظم صاحب کے حکم پر اس کا ترجمہ راقم الحروف نے ''تاریخ وقائع لاثانی'' کے نام سے کیا۔

[تعارف تالیفات، از: مولانا محمد عثمان صاحب، معروفیؒ]

(۸) تذکرۃ الفنون: صفحات: ۸۸ سنہ اشاعت: ۱۹۸۳ء

اس کتاب کے اندر مدارس اسلامیہ میں رائج تمام علوم وفنون کی یکجا مختصر تاریخ اور ہر علم وفن کی تعریف اور غرض کو اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، کتاب کثیر معلومات کا مجموعہ ہے۔ قاضی اطہر صاحب مبارکپوری نے اس کتاب کی تقریظ میں لکھا ہے:

اردو زبان میں شاید اس موضوع پر کوئی کتاب نہیں ہے، ہمارے مدارس اسلامیہ عربیہ کے طلبہ ومدرسین کے لئے خاص طور پر اس کی ضرورت پڑتی ہے، پچھلے دنوں درسی کتابوں کے مصنفین کے حالات میں بعض کتابیں لکھی گئی ہیں، مگر درسی علوم وفنون پر کوئی کتاب نظر نہیں آتی، حالاں کہ اس کی بھی ضرورت وافادیت مسلّم ہے۔

[دستخط: قاضی اطہر مبارک پوری، ۹/اپریل ۱۹۸۳ء، حوالۂ بالا]

(۹) مختصر تاریخ نبوی ﷺ سنہ اشاعت: ۱۹۸۳ء

راقم (محمد عثمان معروفی) کی یہ کتاب بہت ہی مختصر مگر نہایت جامع ومستند اور ہر اعتبار سے معیاری ہے، اور اس لائق ہے کہ ابتدائی درجات کے نصاب میں داخل کی جائے، اس میں اختصار کے ساتھ ولادت سے وفات تک کے حالاتِ نبوی ترتیب اور

سلیقے سے بیان کئے گئے ہیں، مکتبہ صوت القرآن دیوبند سے اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ [تعارف تالیفات، از: مولانا محمد عثمان صاحب، معروفی]

(۱۰) گلدستۂ فاخرہ (خورد) صفحات: ۱۶، سنہ اشاعت: ۱۹۸۵ء

یہ معیاری نعتوں اور نظموں کا مجموعہ ہے، اس میں صاحبِ سوانح کی نعتوں اور نظموں کے علاوہ دوسرے شعرا کے کلام کو بھی جمع کر دیا گیا ہے، اس کے بھی کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

(۱۱) گلدستۂ فاخرہ (کلاں) صفحات: ۸۰، سنہ اشاعت: ۱۹۸۴ء

یہ راقم الحروف (محمد عثمان معروفی) کا ہلکا پھلکا دیوان ہے جو حمد و نعت اور نظموں، غزلوں، مراثی اور مدارس کے ترانوں کا ایک مجموعہ ہے، اس میں بہت سے مدارس و مساجد کی تاریخ تعمیر اور بہت سے اکابر ملت کی تاریخ وفات کے قطعات وغیرہ بھی شامل ہیں۔ مولانا مرحوم نے اس کتاب میں اپنی شاعری کے بارے میں لکھا ہے:

> ''سچی بات یہ ہے کہ شاعری میں نہ اپنا کوئی استاد ہے، اور نہ کسی سے اپنے کلام کی اصلاح لی، کبھی کسی مشاعرہ، یا کسی بزم میں اپنی نظم خود نہیں سنائی، مشاعروں کی شرکت سے بھی اجتناب رہتا ہے، تاہم بعض احباب اور بہت سے طلبۂ عزیز کا پیہم اصرار رہا کہ آپ اپنا مجموعۂ کلام جلد از جلد طبع کرا دیں، ان کے اصرار پر اپنی بہت سی نظموں میں سے قدرے انتخاب کر کے طباعت کی جرأت کی۔'' [تعارف تالیفات]

(۱۲) تذکرۂ مشاہیر کوپاگنج صفحات: ۱۶۰، سنہ اشاعت: ۱۹۸۵ء

جامع العلوم کوپاگنج ضلع مئو، میں تدریسی خدمت انجام دینے کے ایام میں مجھ سے بعض احباب نے اصرار کیا کہ تم کوپاگنج کے مشاہیر کا تذکرہ مرتب کر دو، کیوں کہ یہاں بعض آدمیوں نے اس کی کوشش کی مگر پورا نہیں کر سکے، میں نے بفضل خدا

اپنی بساط کے مطابق اس کو لکھ کر طبع کرایا۔

اس کتاب کے آغاز میں بھی بہت سے اکابر کی تقریظات ہیں، جن میں محدثِ کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب، قاضی اطہر صاحب مبارکپوریؒ، مولانا عبید اللہ صاحب کوٹی، ابوالکلام صاحب جوہر ندوی، وغیرہ حضرات شامل ہیں۔

مولانا نے شروع کے صفحات میں اعظم گڈھ کی تاریخ (پہلے یہ قصبہ اسی ضلع کا حصہ تھا، اب مئو ضلع ہوگیا ہے) پھر کوپا گنج کا محل وقوع، تاریخ، وجہِ تسمیہ، جامع مسجد شاہی اور دوسری پرانی مسجدوں کے ذکر کے ساتھ، عیدگاہ، شیومندر، مرزا کا کنواں، رانی کا پوکھرا، کوٹ، چھاؤنی، خندق، مقابر، گنج شہیداں، مسلم اقتدار، مذہبی حالات، مکاتب و مدارس، لائبریریاں، انجمنیں، وہاں کے علماء کی تصنیفی خدمات، شعر و ادب، فہرست شعراء، حضرت تھانوی و حضرت مدنی کی وہاں آمد، حضرت شاہ وصی اللہ صاحب فتح پوریؒ ضلع مئو، کی وہاں سرگرمیاں، سیاسی حالات، ہندو مسلم تناسب، فسادات، اقتصادی حالات، مسلم فنڈ، انٹرویو، وغیرہ کے سلسلے میں تقریباً ۶۰ رصفحات خرچ کئے ہیں۔

اس کے بعد مشاہیر کے تعارف کے تحت اکابر کے تعارف کا سلسلہ جناب حکیم الٰہی بخش سے شروع کیا ہے، جو ایک غیر مسلم پنڈت کے تعارف پر ختم ہوا ہے۔ اس میں تین غیر مسلم کا بھی ذکر کیا ہے، نیز وہاں موجود شیعہ علماء کے تعارف کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے۔

(۱۳) حالات المصنفین صفحات: ۲۰۸، سنہ اشاعت: ۱۹۸۶ء

مولانا نے اس کتاب کے تعارف میں لکھا ہے:

''درسِ نظامیہ، عالیہ اورالٰہ آباد بورڈ کے نصاب میں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، ان کے مصنفین کے حالاتِ زندگی کو بہت خوبی کے ساتھ اس کتاب میں ذکر کیا گیا ہے، جو اساتذہ وطلبہ کے لئے بہت مفید ہے، اس کتاب پر حضرت الاستاذ مولانا مفتی

سعید احمد صاحب پالن پوری کی تقریظ ہے، جس میں مفتی صاحب نے تحریر کیا ہے:

''مدارسِ اسلامیہ میں تدریسی سال کے آغاز میں ہر کتاب کے شروع میں جو اساتذۂ کرام کا معمول رؤوسِ ثمانیہ بیان کرنے کا ہے ان میں خصوصی اہمیت مصنفِ کتاب کے احوال کو حاصل ہے، اساتذہ عام طور پر اس موقع پر پریشان ہوتے ہیں کہ احوال کہاں سے جمع کریں؟ اب بحمداللہ ایک ایسی کتاب سامنے آئی ہے جو متوسط سائز کی ہے، اور اس میں ٹھوس مواد جمع ہے، اس میں بے ضرورت طوالت نہیں ہے۔'' [تعارف تالیفات]

(۱۴) بابری مسجد صفحات: ۱۱۲، سنہ اشاعت: ۱۹۸۶ء

''بابری مسجد'' نامی کتاب پہلی بار ۱۹۸۶ء میں طبع ہوئی، اس میں مسجد سے متعلق تقریباً تمام معلومات فراہم کردی گئی ہیں، کتاب مختصر ہونے کے باوجود اس قدر علمی و تاریخی معلومات پر مشتمل ہے کہ اس کے کئی ایڈیشن چھپ گئے ہیں۔

اس کتاب پر روز نامہ ''قومی مورچہ'' بنارس، نے ۱۱؍جنوری ۱۹۸۷ء میں اپنے اخبار میں اس طرح تبصرہ کیا تھا:

''آپ کی کتابیں بالعموم مفید تاریخی، علمی، معلومات سے لبریز رہتی ہیں، بابری مسجد کا تنازعہ آج کے ہندوستان کا انتہائی اہم معاملہ بن گیا ہے، جس کے بارے میں دو بڑے فرقوں میں کشیدگی ابھر آئی ہے، مولانا محمد عثمان صاحب معروفی نے اس کتاب میں اس مسجد کی تعمیر سے متعلق جہاں جہاں سے تاریخی مواد ملنا ممکن تھا، حاصل کر کے اسے سلیقے سے سجایا ہے، جس سے یہ کتاب اس موضوع پر معلومات کا خزانہ بن گئی ہے۔'' [تعارف تالیفات]

(۱۵) محاسن التواریخ صفحات: ۱۱۲، سنہ اشاعت: ۱۹۸۷ء

''میری نظموں کے مجموعے گلدستۂ فاخرہ میں بہت سے اکابر اور مساجد و

مدارس وغیرہ کے متعلق قطعاتِ تاریخ اور گونا گوں تاریخی مادے چھپے ہیں، جن کو دیکھ کر حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری استاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند نے تحریر فرمایا کہ تاریخ گوئی کے اصول وقواعد پر کوئی کتاب مرتب کردیجئے تاکہ دوسروں کے لئے بھی استخراج تاریخ آسان ہوجائے، اسی طرح دوسرے بہت سے احباب کا بھی اصرار ہوتا رہا، اسی لئے یہ کتاب ''محاسن التواریخ'' مرتب کی، جس کو اربابِ علم وفضل نے بنظرِ تحسین دیکھا، اوراس پر حوصلہ افزا تقریظیں لکھیں۔ [تعارف تالیفات]

اس کتاب پر قاضی اطہر صاحب مبارکپوریؒ، رسالہ ندائے فضلاء، مبارکپور، اور مولانا مرتضیٰ صاحب کتب خانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ، وغیرہ کی تحسین آمیز تقریظات ہیں۔

(۱۶) ارکانِ تبلیغ سنہ اشاعت: ۱۹۹۰ء

''اصلاح وتبلیغ کا مروجہ کام حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ متوفی: ۱۳۶۳ھ، نے تقریباً ۱۳۴۳ھ سے نظام الدین دہلی سے شروع کیا، جو نصف صدی میں دنیا کے چپہ چپہ میں پھیل گیا، اس جماعت کے ذریعے لاکھوں کروڑوں نفوس کے کلمے اور نمازیں درست ہوئیں، کتنے فاسق وفاجر نمازی اور تہجد گزار بنے، یورپ و امریکہ میں کتنے ملحد وعیسائی اسلام لائے، کتنے گرجا گھر، مسجد میں تبدیل ہوئے، اور کتنی مسجدیں تعمیر ہوئیں؟ اس لئے اس کام سے دلچسپی رکھنے والوں کے دلوں میں چند چیزوں کے جاننے کا جذبہ ابھرتا ہے، پہلی چیز یہ کہ جماعت کے بنیادی اصول کیا ہیں؟ دوسری چیز یہ کہ اس کو کن کن اکابر علما کی حمایت حاصل ہے؟ تیسری چیز یہ کہ اس کے کیا نتائج واثرات ظہور پذیر ہورہے ہیں؟ اور کس قدر نصرتِ الٰہی اور تائیدِ غیبی حاصل ہے؟ اور چوتھی چیز یہ کہ جماعت کے بانیوں، امیروں، اور سرپرستوں کے حالاتِ زندگی بھی قدرے معلوم ہوں تاکہ جماعت کے کاموں سے پوری مناسبت اور دلچسپی قائم رہے، جماعت سے متعلق کرامتیں، واقعات وشواہد کے نام سے مذکور ہیں، بس ان ہی چار

چیزوں کو اس کتاب ''ارکانِ تبلیغ'' میں نہایت سلیقہ اور اختصار سے بیان کیا گیا ہے۔

[تعارف تالیفات، از: مولانا محمد عثمان صاحب، معروفیؒ]

(۱۷) مفتاح التقاویم سنہ اشاعت: ۱۴۱۰ھ، ۱۹۹۰ء

لکھنے پڑھنے والوں کے لئے ہجری وعیسوی تاریخ کی مطابقت کی ضرورت پڑتی ہے، کبھی تاریخ پیدائش کے لئے تو کبھی کسی کی وفات پر، ایسے موقعے پر دونوں تاریخوں کی مطابقت کرنا بڑا دشوار ہوتا ہے، اسی دقت اور مشقت کو دور کرنے کے لئے مولانا نے یہ کتاب مرتب فرمائی۔ مولانا نے اس سلسلے میں تحریر کیا ہے:

''ہجری وعیسوی سنین کو مطابقت کی بہت سی کوششیں ہوئیں، مگر پوری وضاحت اور تفصیل کے ساتھ کوئی کتاب سامنے نہیں آئی، راقم نے ۱۴۱۰ھ میں اپنی سترہویں کتاب ''مفتاح التقاویم'' مرتب کی، اس میں سن ۱ھ سے ۱۵۲۵ھ تک ہر ہر مہینہ کی پہلی تاریخ اور دن کی عیسوی تاریخوں کے ساتھ پوری وضاحت سے مطابقت دکھائی گئی ہے۔

قاضی اطہر صاحب مبارک پوری کا تبصرہ ملاحظہ ہو:

''اتفاق کی بات یہ کہ اس کا مسودہ راقم نے آج سہ شنبہ یکم محرم ۱۴۱۱ھ مطابق ۲۴/جولائی ۱۹۹۰ء کو دیکھا، تو خیال ہوا کہ اس مسودہ میں بھی دیکھ لیا جائے اور جب دیکھا تو بعینہ مذکور ہے، جس سے اندازہ ہوا کہ کس قدر دقتِ نظر اور محنت سے پندرہ سو سال سے زائد مدت تک کا حساب لگایا گیا ہے، راقم کا خیال ہے کہ اس سلسلہ میں کی جانے والی کوششوں میں یہ کوشش سب سے زیادہ کامیاب اور علما و محققین کے پورے اعتماد کے لائق ہے۔'' [تعارف تالیفات]

(۱۸) نماز کی کتاب (پُر تاثیر نماز) صفحات: ۵۶، سنہ اشاعت: ۱۴۱۱ھ، ۱۹۹۱ء

نماز کے ضروری مسائل پر مشتمل ایک کتاب مرتب کرنے کا بہت دنوں سے

قاری محمد سلمان صاحب امام مسجد کولوٹولہ کلکتہ، اور دیگر حضرات کا اصرار تھا، اپنا بھی خیال تھا کہ نماز جیسے مہتم بالشان موضوع پر ایک کتاب مرتب کردوں، الحمدللہ! کہ ۱۴۱۱ھ میں یہ دیرینہ آرزو پوری ہوئی، اور ایک مختصر مگر جامع، معیاری اور نماز کے بیشتر ضروری مسائل پر مشتمل عام فہم کتاب مرتب ہوئی۔ [تعارف تالیفات]

(۱۹) تقاریرِ مولانا آزاد

مولانا آزاد کے مشہور اخبار ''الہلال، البلاغ'' سے اخذ کئے ہوئے مختلف عنوانات پر قابل مطالعہ کتاب ہے، جسے مؤلف نے جمع کر دیا ہے۔

(۲۰) سیرت الرسول ﷺ صفحات: ۱۴۴،

حضور اکرم ﷺ کی نہایت جامع اور معلوماتی سیرت کی لاجواب کتاب ہے۔

(۲۱) مختصر سیرت الرسول ﷺ: سنہ اشاعت: ۱۹۸۳ء

دریا بکوزہ آنحضور ﷺ کی سیرت۔

(۲۲) ترجمۂ مقاماتِ حریریہ غیر مطبوعہ سنہ ۱۹۹۰ء

مقامات حریری پڑھانے کے دوران خیال ہوا کہ نصاب کی مقدار مقامات کا تحت اللفظ اور سلیس ترجمہ کیا جائے، جس سے ہر ہر لفظ کا ترجمہ سمجھ میں آتا جائے، اور مشکل الفاظ و مغلق لغات کی ضروری تشریح و توضیح کردی جائے، تاکہ اسی شرح سے مقامات بآسانی حل ہوجائے، اس نہج پر نصف سے زیادہ کام ہو چکا ہے، اللہ تعالی توفیق دیں کہ اس کی بھی تکمیل ہوجائے اور طباعت کا مرحلہ آسان ہوجائے۔ [تعارف تالیفات]

○○○

مولانا ایک شاعر کی حیثیت سے

مولانا محمد عثمان صاحب کی شخصیت ایک علمی و ادبی شخصیت تھی، ان کا اصل میدان تاریخ تھا، مولانا کی تالیفات کے تعارف کی ایک جھلک دیکھ کر اس کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، لیکن وہ محض مصنف، یا خشک مؤلف اور زاہد مولوی نہیں تھے، علماء کی صورت وسیرت سے متصف ہونے کے باوجود، وہ ایک باذوق عالم اور بذلہ سنج، ظریف الطبع اور شوخ طبیعت کے مالک تھے، شعر وشاعری سے انہیں فطری لگاؤ تھا، ادبی کتابیں ہمیشہ ان کے زیر مطالعہ رہتی تھیں، اپنی مشہور کتاب ''عالمی تاریخ'' میں انہوں نے اردو زبان، آغاز وارتقا اور اس کے شعراء وادباء کے تعارف کے سلسلے میں ایک پوری تاریخ لکھ دی ہے۔

ایک باذوق آدمی کو اچھے اشعار سے یقیناً لگاؤ ہوگا، وہ اچھے اشعار سن کر بلاشبہ داد دے گا، اس میں موجود بلند خیالات پر وہ اپنا سر دھنتا رہے گا، ایک مقرر بھی منبر پر بیٹھ کر اس سے بے نیاز نہیں ہوسکتا، اس کے دل ودماغ میں یقیناً بہترین اشعار کا ایک ذخیرہ موجود ہوگا۔

مولانا بھی بہت باذوق تھے اس لئے اکثر اشعار گنگناتے رہتے تھے، ان کے دل ودماغ میں ایک شاعر کہیں چھپا بیٹھا تھا، مگر چوں کہ مولانا کا میدان کچھ اور تھا، اس لئے انہیں باقاعدہ اس کی طرف توجہ کرنے کا وقت نہیں مل سکا، پھر بھی انہیں جب کبھی کسی کی وفات پر تاریخی مادے برآمد کرنے ہوتے، تو انہیں اشعار موزون کرنے کی ضرورت ہوتی، مولانا اپنا تخلص **عاصیؔ** رکھتے تھے، انہوں نے اس سلسلے میں لکھا ہے:

''بعض لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ تم نے اپنا تخلص عاصیؔ کیوں پسند کیا؟ اس

سلسلے میں عرض ہے کہ میں نے اپنا تخلص خود نہیں تجویز کیا، بلکہ میرے پہلے استاذ حضرت مولانا حکیم محمد شبلی صاحب شیدا خیرآبادی (ضلع مئو) متوفی: ۱۳۷۴ھ نے ایک بار یہ فارسی شعر لکھ کر مجھے دیا:

پُر شدہ نامۂ عاصی ز خطا و عصیاں
دارد امیدِ شفاعت ز محمد ﷺ عثماں

ترجمہ: خطا اور لغزش سے عاصی (نافرمان) کا اعمال نامہ بھرا ہوا ہے؛
لیکن محمد ﷺ سے شفاعت کی امید البتہ عثمان رکھتا ہے۔

اور فرمایا کہ اس شعر کو نوٹ کرلو، اور اپنا تخلص عاصی رکھو گے، میں نے یہ شعر لکھ لیا، اس وقت میری عمر دس بارہ برس سے متجاوز نہ تھی، اپنے بارے میں شاعری کا قطعاً کوئی تصور نہیں ہوسکتا تھا، لیکن: ع

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید
قلندر جو کچھ کہتا ہے دیکھ کر کہتا ہے۔

اس طرح استاذِ محترم کا تلقین کردہ تخلص اور کبھی لفظ عثمان مقطع میں شامل کردیتا ہوں، شاید استاذِ محترم کی تمناؤں اور دعاؤں کا ثمرہ ہے کہ احقر بھی کچھ ٹوٹے پھوٹے اشعار اور تاریخ گوئی میں ان کی نقل کرلیتا ہے، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ شاعری میں نہ اپنا کوئی استاذ ہے اور نہ اپنے کسی کلام کی کسی شخص سے اصلاح لی:

بقدر وسع در اصلاح کوشند (وسعت کے بقدر اصلاح کی کوشش کریں)
اگر اصلاح نتواند بپوشند (اگر اصلاح نہ ہوسکے تو غلطی پر پردہ ڈالیں)

گلدستۂ فاخرہ: مولانا کی گلدستۂ فاخرہ پر ہمارے استاذ حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری استاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند کا مقدمہ ہے، مولانا بھی اچھے شاعر ہیں، دارالعلوم دیوبند کا مشہور ترانہ ''یہ علم و ہنر کا گہوارہ....'' مولانا ہی کا لکھا ہوا ہے، اس

کتاب میں مولانا رقم طراز ہیں:

''شعر'' کی اصطلاحی تعریف کچھ بھی سہی، لیکن حقیقت کے اعتبار سے یہ صرف الہام کی ایک قسم ہے، اور جن افراد کو مبدأ فیاض سے موزونی طبع کی دولت سے نوازا جاتا ہے ان کے لئے اس میدان میں طبع آزمائی ایک فطری چیز ہے۔ مولانا محمد عثمان صاحب کے یہاں شاعری فارغ اوقات کو کارآمد بنانے کے خوبصورت مشغلے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی، انہوں نے ہر صنف میں طبع آزمائی کی ہے، ان کے مجموعۂ کلام میں غزلیں بھی ہیں اور نظمیں بھی، مراثی بھی ہیں اور مدارسِ عربیہ کے ترانے بھی، ان کا عُقابِ تخیل ہر موضوع پر بلند پروازی کا حق ادا کرتا ہے۔

یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ علمائے کرام کے درمیان رواج یافتہ شاعری کے درمیان موصوف کا یہ مجموعۂ کلام تحسین کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا۔

[مقدمۂ گلدستۂ فاخرہ]

○○○

مولانا کی شاعری کے کچھ نمونے

آپ کا کلام ''گلدستہ فاخرہ'' میں جو موجود ہے، اس میں اردو نظموں کے پہلو بہ پہلو فارسی اور عربی زبان میں بھی نظمیں اور غزلیں ملتی ہیں، جس سے مولانا کی ان تمام زبانوں پر قدرت اور اسے اشعار کا جامہ پہنانے پر عبور کا پتہ چلتا ہے، فارسی زبان میں ان کے اکثر وہ اشعار اور نظمیں ہیں جن سے کسی کی وفات پر تاریخی مادے برآمد کئے گئے ہیں، ان میں سے کچھ اشعار بطور ضیافت ہدیۂ ناظرین ہیں:

حمد باری تعالیٰ

صنعت خدا کی دیکھو، کیسا جہاں بنایا
اک لفظ کُن سے سارا کون و مکاں بنایا
اس نے کسی کو بخشا ہے تخت و تاجِ شاہی
کتنے ہیں جن کو اس نے محتاجِ ناں بنایا
رحماں ہے نام تیرا، عاصیؔ پہ رحم فرما
عصیاں کا جس نے سر پر بارِ گراں بنایا

نعت النبی (بزبانِ فارسی)

رحمت عالَم، نور مجسم ﷺ
شافع عالم، ہادیِ اعظم ﷺ
از ہمہ اول گشتی پیدا، نورت آں دم بود ہویدا
بود بآب و گِل چوں آدم ﷺ
امتِ عاصیؔ پُر ز معاصی، دارد از تو چشمِ معافی
نظر کرم کن، جانبِ ما ہم ﷺ

ایک دوسری نعت کے کچھ اشعار:

دشمنِ جاں ہو کوئی، یا دوست ہو مخلص کوئی
تیرا فیض عام یکساں سب پہ گوہر بار ہے
جس گلی سے آپ گزریں دیر تک مہکا کرے
مشک و عنبر سے بھی زیادہ جسم خوشبو دار ہے

حاضری مدینہ

۱۳۸۰ھ، ۱۹۶۰ء میں زیارتِ حرمین شریفین کے بعد شوق میں کہی:

گذر تو اے صبا مجھ کو مدینہ میں کبھی لے کر
تمناؤں کا خوں کب تک ہو میرا ہند میں رہ کر
تمنا بندۂ عاصی کی یا رب کاش بر آئے
کہ جسم ناتواں پیوندِ ارضِ پاک ہو جائے

قومِ مسلم سے خطاب!

یہ ایک طویل نظم ہے، جس میں انہوں نے مسلمانوں کو ان کے اسلاف کے کارناموں کو یاد دلا کر ان کی ذمہ داریوں کی طرف لطیف انداز میں متوجہ کیا ہے، اور ان کی غفلت اور بے حسی پر جھنجھوڑا بھی ہے، اس نظم میں کل ۲۹/ اشعار ہیں۔ اس نظم سے چند اشعار:

تم نے کیا تھا پہلے تسخیر کل جہاں کی
غیروں سے مانگتے ہو اب بھیک تم اماں کی
تم تھے ابوحنیفہ، تم تھے کبھی غزالی
رومی کبھی تم ہی تھے، تم تھے کبھی بخاری
اب طعنہ زن ہوئے تم اسلاف ہی کے دیں پر
پھر آسماں سے اک دم تم آ گئے زمیں پر
فیشن کے سامنے ہے، کچھ پاس تم کو دیں کا؟
صورت، لباس، سب کچھ ہے دشمنانِ دیں کا
پیاسے جہاں کو دو تم، امن و اماں کا پانی
انصاف کی جہاں میں پھر کر دو حکم رانی

اس مجموعہ میں مدارسِ اسلامیہ کے ترانے بھی ہیں جن کی تعداد دس ہے، سب سے پہلے مادرِ علمی ''دارالعلوم دیوبند'' کی شان میں ایک ترانہ ہے، جب کہ دوسری نظم جو دیوبند ہی کی شان میں ہے، اس میں انہوں نے دارالعلوم دیوبند کی ایک سو سالہ تاریخ، صرف چودہ شعر میں سمیٹنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

علم و فن کا ایک بحر بیکراں دارالعلوم
جہل کے ظلمات میں ہے ضوفشاں دارالعلوم
تو ہے بارہ سو تراسی کے محرم میں کھلا
عیسوی اٹھارہ سو سرسٹھ عیاں دارالعلوم
تیرے فضلا نے مدارس جتنے کھولے ملک میں
نو ہزار ان کی بھی پہنچی گنتیاں دارالعلوم

ترانۂ احیاء العلوم مبارک پور

مصدر راہ ہدیٰ بنیان احیاء العلوم
ملک میں ہر سمت ہے فیضان احیاء العلوم
انگنت روشن ستارے اس سے پھیلے ملک میں
جا بجا ہے بارش عرفان احیاء العلوم

○○○

مولانا نے فارسی زبان میں ملک کے اکابر علماء ومشائخ کی تاریخ وفات نکالنے کے سلسلے میں جو نظمیں کہی ہیں،ان میں سے چند یہاں پیش کی جارہی ہیں:

حضرت مولانا محمد طاہر صاحب معروفیؒ

جناب شیخ مولانا محمد طاہر اسم آں
کہ طاہر نامش و اطہر دل انور پُر از عرفاں
بیک ماہ نسخۂ قرآں نوشتن بود معمولش
و درسہ روز کردے ختمِ قرآں در تلاوت آں
سنِ پیدائشِ طاہر بگو عاصی بدو شکلے
۱۲۲۴ھ
شدہ روشن بطاہر پورۂ معروف اے ناداں
۱۸۰۸ء
وفاتِ او ہم از ہجری بایں مصرعہ بیابی حل
۱۲۹۶ھ
کہ تاریکی شدہ ایں جا بلاشبہ بموتِ آں
۱۸۷۹ء

شیخ الادباء مولانا اعزاز علی صاحب شیخ الادب والفقہ

۱۳۷۴ھ

رحلتِ اعزاز علی شیخ الأدب
تیرہ سو چوہتر اور تیرہ رجب
کہہ دے عثماں عیسوی تاریخ بھی
خلد میں ہے سبزہ زیبا فضل رب
۱۹۵۵ء

بوصالِ مولانا حسین احمد مدنی رحمہ الودود المتین
۱۳۷۷ھ

مدینہ میں برسوں دیا درس جس نے
سوئے خلد اس کو رواں دیکھتا ہوں
جو تھا صدرِ دارالعلوم و جمعیت
مراتب میں سب سے عیاں دیکھتا ہوں
تصوف میں کامل، سیاست میں ماہر
ترا مدح خواں اک جہاں دیکھتا ہوں
چراغِ محمد ولادت ہے تیری
۱۲۹۶ھ
سنِ فوت منقولِ جاں دیکھتا ہوں
۱۳۷۷ھ

تذکرۂ رحلت تاریخِ حبیب ابوالکلام آزاد
۱۹۵۸ء ۱۳۷۷ھ

آہ بر ہندوستاں ایں گردشِ دوراں مدام
فرصتِ آہ و فغاں باقی و نے صبر تمام
صاحبِ فکر و نظر عالی معارف رحلتش
۱۹۵۸ء
کس نبودے ایں چنیں عالی ہمم، عالی مقام

○○○

مقبول الہند جناب مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب

۱۹۶۲ء

خبر کیا تھی ہجوم رنج و غم سے کھیلنا ہوگا
الم ہائے فراق حفظ رحماں جھیلنا ہوگا
مسلماں کے قدم اکھڑے ہوئے تو نے جما ڈالے
مدارس کے یہاں پر جال ہیں تو نے بچھا ڈالے
ملک سے بھی ادب سے پوچھتے ہیں سنِ موت عثماںؔ

۱۹۶۲ء

بدل پہنچی صدا جنت میں زیرک سیر کرتے ہیں

۱۹۶۲ء

جناب مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ المبین

۱۳۸۴ھ

وقف کردہ عمر در تبلیغِ دیں
بیگماں یابد بخلد اعلیٰ مکاں
سالِ فوتش ہاتف از عثماں بگفت
شد زہے در جنتِ فردوس آں

۱۳۸۴ھ

مولانا نے تاریخ گوئی میں اپنا کمال دکھاتے ہوئے مذکورہ اقتباس کے علاوہ بہت سے حضرات کی وفات پر تاریخ، اردو اور فارسی زبان میں نکالی ہے، جن کو ہم طوالت کے خوف سے ترک کر رہے ہیں۔

ساتھ ہی مولانا نے بہت سی کتابوں کی تاریخ تصنیف بھی فارسی اور اردو

اشعار و نثر میں برآمد کی ہے، اسے بھی انہوں نے کتاب میں ذکر کر دیا ہے، جب کہ ان کی تصنیف کردہ کتابوں کی تاریخ کا اس میں ذکر نہیں ہے، ان کی تعداد ۸/ ہے، نیز بہت سی تاریخ مدارس و مساجد کا بھی ذکر ہے۔

چندے کی ترغیب سے متعلق ایک نظم کے کچھ اشعار:

مسجد میں اپنا مال جو کوئی لگائے گا
اس کا مکان خلد میں مولیٰ بنائے گا
مسجد کی خستہ حالی جو کوئی مٹائے گا
کیا کیا وہ آخرت میں صلہ اس کا پائے گا
ہمت کو نوجوان بنانا ہے دوستو
اللہ کا مکان بنانا ہے دوستو

مبارک پور ضلع اعظم گڈھ میں ۱۲/ جون ۱۹۷۴ء کو محمد پالن حقانی گجراتی کے اجلاس میں مولانا مرحوم کی لکھی ایک نظم ''ہدیۂ تہنیت'' جلسہ میں پڑھی گئی:

یہ حقانی نہ عالم ہیں، نہ حافظ ہیں، نہ قاری ہیں
مگر تبلیغِ دیں کے واسطے کتنوں پہ بھاری ہیں
خدا جب ظلمتوں میں نورِ حق کو جگمگاتا ہے
تو ذرہ کو ہدایت کا مہِ تاباں بناتا ہے
خدا کو جب بھی اپنے دیں کا لینا کام ہوتا ہے
تو اک اُمّی سے بھی ہر سمت فیضِ عام ہوتا ہے
خدا نے قابل حیرت دیا ہے حافظہ ایسا
کہ یادِ قرنِ اول آپ سے ہو جاتی ہے تازہ

نذرانۂ عقیدت

بحضرت فدائے ملت مولانا اسعد مدنی صاحب

اے اسعد شیریں سخن، خوش آمدی، خوش آمدی
اے نازشِ صد انجمن، خوش آمدی، خوش آمدی
مسرور ہے ساری فضا، ہیں قُمریاں نغمہ سرا
اِستادہ ہیں سروِ چمن خوش آمدی، خوش آمدی
سندانِ عشق و جام دیں ہر وقت ہیں تیرے قریں
تیرا یہ ادنیٰ بانکپن خوش آمدی، خوش آمدی
عثمان کی ہے یہ دعا، تا دیر ہو سایہ ترا
شاداب ہو تجھ سے چمن، خوش آمدی، خوش آمدی

○○○

گلدستۂ فاخرہ میں ایک غزل عربی زبان میں ہے، جسے مولانا نے دورِ طالب علمی میں اس وقت لکھی ہے، جب وہ متنبّی کا دیوان پڑھ رہے تھے، دیوان متنبّی، عربی زبان میں قصیدے کی ایک متداول کتاب ہے، جو مدارسِ عربیہ کے نصاب میں داخل ہے، جس سے مولانا کی عربی زبان میں قدرت اور عبور کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نثر کے ساتھ جب چاہیں عربی زبان میں بھی اظہارِ خیال کر سکتے ہیں، اگرچہ بعد کے زمانے میں انہوں نے اس زبان میں پھر منظوم تخلیق نہیں کی، چنانچہ ان کے مجموعۂ کلام میں دوسرا کوئی کلام اس زبان میں نظر نہیں آیا، ورنہ اسے بھی مولانا ضرور درج کرتے۔

اس غزل کے چند اشعار

عَـلَـيَّ جِبَـالُ الـنَّـائِبَـاتِ الْمَصَـاعِبُ
وَلِـلـنَّـاسِ فِـي الـدُّنْيَا حَبِيْبٌ وَّصَاحِبُ
هَـوَايَ وَلٰـكِـنُ الْهَـوَىٰ كَيْفَ يَـحْصُلُ
مُـقِيْـمٌ أَنَـا وَهُـوَ عَـلَى الْعِيْـسِ رَاكِبُ
يَـقُوْلُ لَكَ الْعَاصِّيْ عَنِ الْحُبِّ احْتَرِزْ
تَبَـاعُـدُهُ يُـنْـجِـيْ، وَقُـرْبُـهُ نَـاكِـبُ

اسی کے پہلو بہ پہلو ان کی ایک غزل فارسی زبان میں بھی ہے، جس کے چند اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں:

روئے تو روشن یک ماہ پارے
شیدا جہانے از یک نظارے
ہوشم ربودی جانم ستاں ہم
سوزی دلم را از برق پارے
قائم قیامت از قامتِ تو
زلفِ درازت پُر پیچ مارے
اثر دعایم گشتہ مخالف
خوانم دعائے از ہجرِ یارے

○○○

دوسری غزلوں کے کچھ اشعار

چمن کی رعنائیوں کو لے کر، ہے چل بسا باغباں اچانک
یہ خشک گلشن میں کیا کروں گا، دیار ویراں میں کیا کروں گا
غموں کی پر زور آندھیاں ہیں، سکوں کے خرمن پہ بجلیاں ہیں
تو عیش و عشرت خوشی و راحت کے دل میں ارماں میں کیا کروں گا

○○○

حوادث کا اترنا آسماں سے دیکھتا ہوں میں
قطاروں میں چلے آتے ہیں مجھ تک میہماں بن کر
خوشی سے خندہ پیشانی سے راحت سے محبت سے
کیا کرتا ہوں استقبال ان کا میزباں بن کر
ارے او جانے والے! تجھ کو یہ زیبا نہیں ہرگز
گذر جاؤ نشیمن پر مرے برقِ تپاں بن کر

○○○

رُخ پہ زلفیں پریشاں پریشاں
چاند سے ابر اٹھ اٹھ کے کھیلے
خوب اترائیں دل کھول کر وہ
پر زمانہ یہ کروٹ نہ لے لے
بھاگئے ان کو اشعارِ عاصیؔ
پڑھتے رہتے ہیں چُھپ کر اکیلے

○○○

ظلمتیں دل میں، منہ پر اجالے
راہ زن کیسے ہیں بھولے بھالے
تختۂ مشق اک ذات میری
سیکڑوں خنجر و تیر و بھالے
گر ہیں بے کیف اشعارِ عاصیؔ
سنتے ہیں غور سے درد والے

○○○

اُدھر تو کرم کے ہیں وعدے زباں پر
ستم کا اِدھر ڈھونڈھتے ہیں بہانہ
نشیمن پہ میرے کبھی برق آئی
خوشی کا اُدھر تن گیا شامیانہ

○○○

بے خبر سوتی ہے دنیا، اور تیرے ہجر میں
بزمِ انجم کی اکیلا سیر کر آتا ہوں میں
وصل میں فرقت کا ڈر ہے روح فرسا ہجر بھی
دل کو اپنے خوگرِ رنج و الم پاتا ہوں میں
بے وفائی سے گلوں کی گلستاں کو چھوڑ کر
اپنے پھر دشت و بیاباں کی طرف جاتا ہوں میں

○○○

کروں میں کہاں تک ان کے جور و ستم گوارا
مرا دل بھی دل ہے آخر، نہیں خشت و سنگِ خارا

مرا ان پہ یہ دل و جاں ہو ہزار بار قرباں
مگر ایک بار کہہ دیں کہ یہی ہے گھر ہمارا
جو جھکی ہوا شاخِ گلِ تر تڑپ اٹھا دل
وہ سلام ناز جھک کر یاد آگیا تمہارا
دُرِ آبدارِ دنداں، لبِ لعلہائے خنداں
ابھی قطر ہائے شبنم نے ہے برگِ گل نکھارا

○○○

انہیں کے ہاتھ میں ہے آج نظم گلشن کا
اصول و نظم چمن کی ہوا جو پا نہ سکے
مثالِ موج جو بیتاب ہیں وہ ہیں زندہ
سکون میں ہے فنا، ہم سکون پا نہ سکے

○○○

دم توڑ کے ہے جا بسی انسانیت کہیں
عریانیت بھی عقل پہ ہنستی ہے آج کل
زوروں سے ظلم و جور ہے خنداں چہار سُو
مظلومیت مزید سسکتی ہے آج کل

○○○

تمہاری ایذا دہی مبارک تمہاری سب سازشیں سلامت
ہماری مژگاں پہ کوئی قطرہ کبھی نہ ہرگز مچل سکے گا
مرے عزائم سے لے کے ٹکر حوادثاتِ زماں پشیماں
تمہاری آتش فشاں نگاہوں سے میرا دامن نہ جل سکے گا

○○○

مولانا نے شادی کے موقعہ پر مبارک باد کے طور پر کچھ سہرے بھی منظوم کئے ہیں، ان کا کچھ رنگ دیکھیں:

خدا نے ''فانکحوا ما طاب'' جو قرآں میں فرمایا
اسی حکمِ خدا کی عظمت و شوکت کا سہرا ہے
خدا رکھے سلامت زندگانی کامراں گزرے
بڑی ہی ذمہ داری کا بڑی عظمت کا سہرا ہے
دعا عاصیؔ کی ہے، شاداں رہیں پھولیں پھلیں دونوں
محبت اور مروت، رحمت و شفقت کا سہرا ہے

○○○

بزمِ شادی نور افشاں ہوگئی
شادمانی خود غزل خواں ہوگئی
ہیں بہاریں پُر مسرت وجد میں
آرزو دل کی فروزاں ہوگئی
ہے فضا شاداں و فرحاں رقص میں
رحمت حق نور افشاں ہوگئی

علمائے کرام کے چند خطوط

بنام حضرت مولانا محمد عثمان صاحب معروفیؒ

حضرت کے یہاں موصولہ خطوط میں سے جو مکتوبات ہمیں ان کے اکلوتے فرزند جناب کاتب محمد سفیان صاحب کے ذریعے دستیاب ہوئے ہیں، ان میں سے چند خطوط کی اشاعت یہاں کی جارہی ہے، گذشتہ اوراق میں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد حضرت نے وہاں ایک سال رہ کر فتویٰ نویسی کی مشق کی تھی، یہ خط صدر شعبۂ افتاء دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحبؒ کی جانب سے حضرت مرحوم کے ایک خط اور درخواست کے جواب میں ہے:

مکتوب حضرت سید مفتی مہدی حسن صاحبؒ

برادرم.....سلّمہٗ سلام مسنون

میں بعافیت ہوں، اور آپ کی خیریت چاہتا ہوں، ایک دستی خط پہنچا، جس سے معلوم ہوا کہ آپ نے کئی خط مجھ کو بھیجے، مگر مجھے کوئی خط نہ ملا، اس لئے کہ میں ۲۷ر شعبان ۱۳۶۹ھ کو دارالعلوم کی طرف سے ایک مشن کے ساتھ دارالعلوم کی ضرورت کے لئے صوبہ گجرات کے دورہ پر گیا تھا، اس سے فارغ ہو کر ۲۸ر شوال کو دارالعلوم پہنچا، اور ۳۰ر تاریخ کو آپ کا دستی خط ملا۔

دارالافتاء کی فتویٰ نویسی کے متعلق ترقی وظیفہ کے سلسلے میں جو کچھ آپ نے لکھا ہے میں اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا، کہ مہتمم صاحب و نائب مہتمم صاحب دونوں یہاں موجود نہیں ہیں، تاکہ ان سے کسی قسم کی گفتگو کی جاسکے، اور بظاہر اگر ہوتے بھی تو اس بارے میں گفتگو بے سود تھی، اس لئے کہ دارالعلوم میں اس قسم کی گنجائش نہیں ہے کہ جن طالب علموں نے مشق فتویٰ نویسی شروع کی، ان کے لئے ماہانہ کوئی معقول رقم مقرر

کر سکے، اس نے جو حقیر سی مقدار ماہانہ دینے کا وعدہ کیا اور دے رہا ہے، یہ صرف ان طالب علموں میں رغبت دلانے کے لئے ہے، ورنہ آپ جانتے ہیں کہ فی الحال دارالافتاء میں آدمی کام کرنے والے موجود ہیں، پھر کسی کی ضرورتوں کا پورا کرنا جس کے ساتھ متعلقین بھی وابستہ ہوں، حالاتِ موجودہ میں دشوار ہے۔

آپ نے خود تحریر بھی نہیں کیا کہ ضرورت کتنی مقدار سے پوری ہوسکتی ہے؟ بلکہ میرا تو یہ خیال ہے اگر بالفرض آپ تحریر کرتے بھی تو یہ تحریر کرنا نامناسب سا ہوتا، یہ شاخ اس لئے نہیں نکالی گئی کہ دارالعلوم اس کے بوجھ کو برداشت کر سکے، بلکہ طلبہ کو کچھ مشق ہوجائے اور اگر ضرورت پیش آئے تو کسی دوسری جگہ کام کرسکیں، اور ان کو دشواری نہ ہو، میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو زندگی بسر کرنے کے لئے کوئی بہتر صورت پیدا کرے، بہت اچھا ہوتا کہ ایک سال اور آپ اس طریقہ سے پورا کرتے جتنی مقدار آپ نے فتووں کی لکھی ہے، بے شک وہ ٹھیک ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اب آپ کے سامنے اس سلسلہ کی کوئی سی چیز آجائے تو آپ کو دشواری نہ ہو، اس کام کو کرتے مجھے چالیس سال گذرے ہیں، پھر بھی میں اس کے دروازہ ہی پر ہوں، اور مکان کے اندر میرا داخلہ نہیں ہوا، اگر میں یوں کہہ دوں کہ میں نے ہزاروں کی تعداد میں جوابات لکھے ہیں، اور میں فتویٰ نویسی کا اہل ہوگیا ہوں، تو میرا یہ خیال غلط اور بالکل غلط ہے، ''گے آمدی؟ وگے پیر شدی؟ کا مصداق ہوں، بے شک آپ سمجھ دار ہیں، اسی بنا پر آپ کے ساتھ یہ تعلق رہا، اور ان شاء اللہ رہے گا، اور دعا کرتا رہوں گا کہ آپ جہاں رہیں عزت اور آبرو سے رہیں، اور کبھی کبھی مجھ کو بھی دعا سے یاد کرلیں اور خیریت کا خط لکھ دیا کریں۔ والسلام

سید مہدی حسن، صدر مفتی دارالعلوم دیوبند

یکم ذی قعدہ ۱۳۶۹ھ

جمعیت علمائے ہند سے حضرت مرحوم کا بدوِّ شعور سے ہی تعلق تھا، اور آپ اس سے پھر دستوری طور پر بھی وابستہ ہو گئے تھے، اس سلسلہ میں جمعیت علمائے ہند کے صدر حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحبؒ کا ایک خط جمعیت علمائے ہند کے تعاون کی طرف متوجہ کرنے کے لئے آپ کو موصول ہوا ہے ہم یہاں اسے شائع کر رہے ہیں:

مکتوب حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحبؒ

ذاتی دفتر جمعیۃ علمائے ہند، بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی،

۲۸ رشعبان المعظم ۱۳۸۹ھ

مکرمی گرامی قدر.....زید مجدکم سلام مسنون

''جمعیت علمائے ہند'' کا ایک کردار ہے، ملت کی خدمات کی اس کی ایک تاریخ ہے، اور آج بھی آپ کی یہ جماعت ملت کے عمومی مسائل کے علاوہ اہم اور نازک مرحلوں میں حسبِ توفیق مسلمانانِ ہند کی خدمت کر رہی ہے، قطع نظر ان پیہم جاں نثارانہ خدمات کے جو حالات کی سنگینی میں جمعیت علمائے ہند کے خدام دیتے رہتے ہیں۔ دینی تعلیم کا فروغ، امداد مکاتب و مدارس، امداد بیوگان، دینی تعلیم بورڈ اور روزنامہ ''الجمعیۃ'' جمعیت علمائے ہند کی خدمت کے مستقل عنوانات ہیں، جو خدا کے اعتماد پر، آپ کے تعاون اور امداد کے سہارے جاری ہیں۔

خیر و برکت اور سعادت و فضیلت کے متبرک ماہ رمضان میں ہماری آپ سے گذارش ہوگی کہ جمعیۃ علمائے ہند کی گراں قدر امداد فرما کر عنداللہ ماجور ہوں، ملت کی ناگزیر ضرورتوں میں آپ کا مخلصانہ تعاون بہت قیمتی ہے، خاص کر ایسے حالات میں جب کہ آپ کی جماعت مالی پریشانیوں سے دوچار ہے، اور اغیار کی معاندانہ نگاہیں آپ کی جماعت کی طرف اٹھ رہی ہیں۔

آپ نے ہمیشہ تعاون کیا ہے اور ہمیں آپ کے تعاون پر پورا اعتماد ہے۔

اسعد مدنی

جنرل سکریٹری جمعیت علمائے ہند

مکتوب حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ

ذیل کا خط حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمی معروفی صدر شعبۂ تخصص فی الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کا ہے، جس وقت حضرت مولانا گجرات کے ایک مدرسہ میں تدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے، مولانا حدیث اور رجال حدیث میں ماہر ہیں، یہ ایک علمی خط ہے، جس سے حضرت کا حدیث سے شغف اور حد درجہ محبت کا اظہار ہوتا ہے، واضح ہو کہ مولانا کی حیات وخدمات کے سلسلے میں احقر نے ماہنامہ پیغام کا ایک ضخیم نمبر شائع کیا ہے، مطالعہ کے لئے احقر سے رابطہ قائم کریں، حضرت مولانا محمد عثمان صاحب معروفی، حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمی معروفی کے رشتہ دار بھی تھے، اس وقت حضرت مولانا محمد عثمان صاحب مدرسہ جامع العلوم کوپاگنج ضلع اعظم گڈھ (حال مئو) میں مدرس تھے:

دارالعلوم چھاپی، ضلع بناس کانٹھا، شمالی گجرات ۸۰/۲/۲۵

محترم المقام زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ مزاج گرامی!

دور دستاں را بنعمت یاد کردن ہمت است

ورنہ ہر نخلے بپائے خود ثمر می افگند

آنجناب کا نوازش نامہ ابھی ابھی موصول ہوا، جو کہ ۸۰/۲/۱۸ کا لکھا ہوا ہے، قاری...الحسن نے میرے پاس لکھا تھا کہ کتاب فروری کے اخیر تک مع طباعت کے مکمل

ہوجائے گی، فوراً تین سو روپیہ بھیج دیجئے، میں نے بھی فوراً بھیج دیا، جو کہ انھوں نے ۱۲/۲/۸۰ کو وصول کیا ہے، اس بجمنٹ کے واپس ہونے پر مجھ کو پتہ چلا، ویسے ان کا کوئی خط نہیں آیا، آنجناب کی زحمت کا شکرگزار ہوں لیکن **ما شاء الله كان، وما لم يشأ لم يكن**'' کے پیشِ نظر راضی برضائے الٰہی ہوں، اگر قاری...الحسن تیار کردیں تو ان کی مہربانی ہے، اور اگر نہ تیار کرسکیں تو ''**ما هي بأول بركتكم يآل ...**'' میں ہر حال میں مطمئن ہوں کیوں کہ ذی الحجہ کے بعد کا وعدہ تھا، بہرحال جتنی توقع آپ سے تھی آنجناب نے اس سے زائد کام کیا۔ **جزاك الله خير الجزاء**۔

ان کی کتابت کا زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ سو روپیہ ہوتا ہے، میں تو خوش گمانی میں تھا کہ شاید کتابت کے بعد مرحلۂ طباعت کی سہولت کے لئے تین سو روپیہ طلب کیا گیا ہے۔

ایک دوسری خوش خبری سنئے کہ شرح عقائد کا کام ''رؤیتِ باری'' تک پہنچ چکا ہے، اور ''عدد المرویات'' بھی قریب قریب مکمل ہوچکی ہے، اس میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جملہ مرویات کا ذکر کرنا مقصود ہے، اس سلسلہ میں برائے مشورہ ایک خط مولانا اعظمی صاحب مدظلہم کو لکھا ہے، لیکن ابھی تک جواب نہیں آیا، اس کا نمونہ یوں ہے:

الأرقام:	١
اسم الصحابي:	أنس بن مالك
جميع مروياته:	٢٢٨٦
جميع مروياته في الصحيحين:	٣١٨
متفق عليه:	١٦٨
ما تفرد به البخاري:	٨٠
ما تفرد به المسلم:	٧٠

اسماء صحابہ حروف تہجی کی ترتیب سے ہیں، ایک خانہ ملحوظات کا ہے، آخر میں کنیتوں کا باب ہے، حروفِ تہجی کے مطابق، یوں ہے:

الرقم:	٢٥
الكنىٰ مع الأسامي:	أبو سعيد الخدري، سعد بن مالك
الرقم المذكور في حرف "سين"	٤٧٣

جلداول میں ۵۸۷/صحابہ کا ذکر ہے، اور جلد ثانی میں ۶۲۸ = میزان: ۱۲۸۶
لیکن ابھی آدھے کی مرویات مل سکی ہیں، اگر آنجناب کوئی مشورہ دیں تو شکر گزار ہوں گا، ویسے تو احسان فراموش ہوں ہی، گو آپ کو کوئی شکایت نہیں ہے۔

والسلام فقط جزاك الله تعالىٰ
زین العابدین صاحب الاعظمی

مکتوب مولانا محمد الیاس صاحب

یہ خط ادارۂ علم وحکمت دیوبند (کتب خانہ) کی جانب سے اس کے ناظم جناب محمد الیاس نے لکھا ہے، جس میں وہ تاریخی مادہ نکالنے کے سلسلے میں مولانا سے گذارش کررہے ہیں:

مکرمی ومحترمی زید مجدکم سلام مسنون

خدا کرے آپ ہر طرح بخیر ہوں، ہمارے کرم فرما محترم الحاج قاری اخلاق احمد صاحب صدیقی رکن شعبۂ دارالافتاء دارالعلوم دیوبند جو طیب مسجد محلّہ دیوان کے مؤسس اور متولی ہونے کے ساتھ ساتھ مسجد قاضی دیوبند کے بھی متولی اور ذمہ دار ہیں۔

اس سے قبل بھی جناب نے طیب مسجد کے سلسلے میں تاریخی نام بھیجے تھے، جو مسجد میں نصب ہیں، فی الحال مسجد قاضی کی دوسری منزل زیر تعمیر ہے، ہماری خواہش

ہے کہ حسب سابق آپ اس سلسلے میں بھی زحمت فرمائیں تو یہ آپ کی کرم فرمائی ہوگی۔

(۱) واضح رہے کہ مسجد قاضی میں حضرت سید احمد شہیدؒ نے مجاہدین کی جماعت کے ساتھ مستقل دس یوم قیام فرمایا ہے، اور دیوبند کے ۱۸/مجاہدین بھی جماعت میں شامل ہوکر بالاکوٹ گئے تھے، جو سب شہید ہوگئے تھے۔

(۲) تاریخی نام میں اگر قاری اخلاق احمد صاحب صدیقی کا نام بحیثیت متولی وغیرہ آجائے تو بہت بہتر ہوگا، امید کہ شرفِ قبولیت سے نوازیں گے، اور جواب سے سرفراز فرمائیں گے، بقیہ سب خیریت ہے، دعاؤں کا طالب ہوں، مخلصین کو سلام مسنون عرض کردیں۔ سن تعمیر: ۱۴۱۰ھ، ۱۹۹۰ء ہوگا۔ والسلام

محمد الیاس ناظم ادارۂ علم وحکمت دیوبند

۸۹/۹/۱۲ء

مکتوب ایچ، ایم سعید صاحب

بخدمت: مولانا محمد عثمان صاحب مدرس مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور

مکرمی ومحترمی سلام مسنون

الحمدللہ بخیر وعافیت ہوں، امید ہے کہ آپ بھی بخیر وعافیت ہوں گے، حضرت حقانی صاحب کے بہادرگنج کے پروگرام کے متعلق آپ سے تذکرہ کیا تھا، اور آپ نے حضرت مہتمم صاحب (احیاء العلوم مبارکپور) سے اس کا ذکر کردیا تھا، گھوسی میں جہاں پر حضرت کی قیام گاہ تھی، جب مئو، ادری حضرت کا پروگرام رکھا جائے تو بہادرگنج کو بھی شامل کرلیا جائے، یاددہانی کرتے ہوئے اس خط کے ذریعے جناب کو زحمتِ التفات دے رہا ہوں، حضرت مہتمم صاحب سے مل کر اس سلسلے میں گفتگو فرمائیں اور اس پروگرام میں تعاون فرمائیں، میں نے آج ہی ایک خط حضرت مہتمم صاحب کی خدمت

میں لکھاہے، امید ہے کہ جواب سے سرفراز فرمائیں گے۔ الملتمس
ایچ، ایم سعید، ناظم جمعیتِ علمائے بہادر گنج
۲۹ رمئی، ۱۹۷۰ء

مکتوب معلم احمد مکی، محمود بخاری

از: معلم احمد مکی، محمود بخاری، مکہ شریف، حجاز عرب، سعودیہ،
پوسٹ بکس: ۱۸۴ محلّہ جیاد ۱۰ر مارچ ۱۹۶۴ء

محبی، محترمی بخدمت جناب حاجی الحرمین الشریفین، حاجی مولوی محمد عثمان
مدرس صاحب، دام اقبالہٗ، آمین بعدہٗ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ہم لوگ خیریت سے ہیں، آپ لوگوں کی خیریت نیک مطلوب، دیگر، میرے مولانا! آپ کے خط کا انتظار کرتے کرتے دل گھبرا گیا، اور صبر نہ ہوسکا، تو آپ کی خدمت میں دوسرا خط روانہ کرتا ہوں، سنتا ہوں کہ چھ (۶) اپریل کو جہازِ محمدی روانہ ہوگا، اس میں نو آدمی پورہ معروف کے روانہ ہوں گے، امید کرتا ہوں کہ ان لوگوں کو خوب سمجھا کر ہوشیار کردیں گے، کیوں کہ آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت بمبئی میں معلم اور دلال سب جمع ہوں گے، اور اپنے پاس لے جانے کی جان توڑ کوشش کریں گے، اور ہر قسم کی لالچ اور طمع بھی دیں گے، اس لئے حتی الامکان کوشش فرما کر میرے نام حاجی لوگوں کو روانہ کریں، میں آپ کا نہایت ممنون ومشکور ہوں گا، اور اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عنایت کریں گے، اور سب کو کہہ دیں کہ جملہ اسباب پر اپنا نام اور معلم احمد مکی، محمود بخاری موٹے حروف سے لکھ دیں تاکہ گم ہونے سے محفوظ رہیں، اور کہہ دیں کہ جہاز سے اتر کر جدہ کے اول دروازہ پر حکومت کا آدمی پوچھے تمہارا معلم کون ہے؟ تو معلم احمد مکی، محمود بخاری دونوں نام بتلائیں، ان شاء اللہ تعالیٰ میں جدہ میں حاضر رہوں گا، ان کو

اپنے ہمراہ مکہ معظّمہ لاکر تمام ارکانِ حج وعمرہ ادا کرا کران کی خدمت میں حاضر رہوں گا، اور خدمت جان ودل سے کروں گا، اور مکان قریب حرم شریف میں بھی بجلی، پنکھا، پانی موجود رہے گا، اور ہم اور ہمارے نوکران کی خدمت کرنے کو حاضر رہیں گے، لہٰذا کارِ خدمت تحریر کریں، اور جوابِ خط جلد روانہ کریں، منتظر ہوں، فقط والسلام

اور نوآدمی مظفری جہاز سے آنے والے ہیں، ان کا بھی خیال رکھیں، اور میری طرف سے والدہ محترمہ اور اہلیہ اور جملہ بچوں کی طرف سے آپ کو اور آپ کے جملہ اہل وعیال کو و جملہ حجاج کرام کو سلام علیک، دعا قبول ہو، ۱۲۔

الراسل

آپ کا دعا گو معلم احمد مکی، محمود بخاری

مکہ معظّمہ، محلّہ جیاد، قریب حرم شریف